www.urduchannel.in

# یوروپین نوآبادیات کے ایبوریجنل ادب پر اثرات

[امریکہ و کینیڈا کے حقیقی باشندوں کے گیت اور خواتین کی شاعری کے تراجم]

نسیم سیّد

www.urduchannel.in

# یوروپین نوآبادیات کے ایبوریجنل ادب پر اثرات

[امریکہ وکینیڈا کے حقیقی باشندوں کے گیت اور خواتین کی شاعری کے تراجم]

نسیم سیّد

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

# یوروپین نوآبادیات کے ایبوریجنل ادب پر اثرات

[امریکہ وکینیڈا کے حقیقی باشندوں کے گیت اور خواتین کی شاعری کے تراجم]

نسیم سیّد

مثال پبلشرز
رحیم سینٹر، پریس مارکیٹ، امین پور بازار، فیصل آباد

www.urduchannel.in

جملہ حقوق محفوظ ©

اشاعت : 2018

کتاب : یوروپین نوآبادیات کے ایبوریجنل ادب پر اثرات
[امریکہ و کینیڈا کے حقیقی باشندوں کے گیت اور خواتین کی شاعری کے تراجم]

تالیف و ترجمہ : نسیم سیّد

ناشر : محمد عابد

قیمت : 300 روپے، 15 کینیڈین ڈالر

مطبع : بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور

# European Noabadiyat Ke Aboriginal Adab Par Asrat

by

Naseem Syed

Edition: 2018

اہتمام

مثال پبلشرز رحیم سینٹر پریس مارکیٹ امین پور بازار، فیصل آباد
Ph: +92-41-2615359 - 2643841, Cell:0300-6668284
email: misaalpb@gmail.com

شوروم

مثال کتاب گھر، صابریہ پلازہ، گلی نمبر 8، منشی محلّہ، امین پور بازار، فیصل آباد

www.urduchannel.in

ڈاکٹر شاہ محمد مری

کے نام

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

# فہرست

محبّت، بغاوت اور نظمیں پرانی نہیں ہوتیں
شہناز شورو
11

پیش لفظ
نسیم سیّد
23

پوسٹ کولونیل لٹریچر اور تھیوری
25

شمالی امریکہ کے حقیقی باشندوں کے گیت
اور خواتین کی شاعری کے تراجم
نسیم سیّد
77

www.urduchannel.in

لنڈا ہیگن
79

لی مارسیل
90

اروایانا آریکہ
94

نوراڈونہر
96

پولاگن ایلین
98

لیوا اینڈریو
102

Dianne Bearns
104

تانیہ ہگس
106

لایانا مارسیل
108

www.urduchannel.in

ڈیٹاجو
111

بلیک فٹ
112

Layquot
117

اوجبوا
118

Opringlik
122

لنڈاہیگن
129

Bala coola
130

Alootook Ipellie
135

حواشی
136

www.urduchannel.in

# محبّت، بغاوت اور نظمیں پُرانی نہیں ہوتیں

اگر آپ سامراجی ہتھکنڈوں اور مظلوم ومحکوم عوام کے غصب شدہ حقوق کا مطالعہ کرتے رہے ہیں تو آپ نسیم سیّد کی اس کتاب ''یوروپین نوآبادیات کے ایبوریجنل ادب پر اثرات'' کو نئے دور کا وہ صحیفہ کہیں گے جس کا لفظ لفظ خود کو، آپ سے بار بار پڑھوائے گا۔ آپ اِس کتاب کو ازبر کرنا چاہیں گے کہ پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا نے آپ سے تفکّر اور تدبر کی جو صلاحیت چھینی ہے، اس کتاب کا مطالعہ آپ کو دوبارہ، ازسرِنو اپنی اس نظرانداز کی ہوئی فکری قوت کی جانب رجوع کرنے کا موقع فراہم کرے گا۔

اس کتاب کی قرأت کرتے ہوئے جو پہلا سوال میرے ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ نسیم نے یہ کتاب لکھ کیسے لی؟ میں اپنے حوصلوں کی فصیل کے پار نظر دوڑاتی ہوں، اتنے کڑوے سچ کے آوے میں اپنی حسیات کے ساتھ اُترنا، میرے لئے تو ناممکن ہے۔۔۔ ایسی کتاب لکھنے کے لیے ذہن، سوچ اور جذبات کو تاریخ کی اس بھٹّی میں جھونکا جاتا ہے، جس بھٹّی نے کئی تاریخیں، کئی کتابیں، کئی تہذیبیں اور اَن گنت بے مثال انسانوں کو ان کی سوچ کی بلند و بالا چٹانوں سمیت جلا کر خس وخاشاک کر دیا ہے۔۔۔ اور جلنے اور مرنے کے خوف سے، سچائی کے دعوے داروں نے بھی راستے بدل کر نسبتاً ہموار راستوں کا انتخاب کر لیا ہے۔ مگر یہ سلگتا آتش کدہ نسیم کے ارادوں اور حوصلوں کی تپش کے آگے سرنگوں ہے۔ اور نسیم

www.urduchannel.in

سید آزمائش کی اس سلگتی بھٹّی سے، کندن بنی۔۔۔ اِک نئی آب و تاب سے، مانندِ صحیفہ یہ کتاب لیے ہمارے سامنے آن کھڑی ہوتی ہیں۔

اس کتاب میں کینیڈا، (جواب فخریہ انگلش اسپیکنگ ممالک کی صف میں شامل ہے) کے حقیقی باشندوں، جنہیں انیوائٹس اور ایبوریجنل اور اب فرسٹ نیشن بھی کہا جاتا ہے (اور جو نوآبادیاتی نظام کے بدترین جبر کا شکار رہے ہیں) کی تاریخ کے تلخ تر دَور کو رقم کیا گیا ہے۔ یوں تو طاقت کا استعمال ہر پیمانے پر قابلِ مذمت ہے مگر کسی ایک خودساختہ تہذیب کا دوسری اقوام پر غاصبانہ تسلّط یعنی کولونائزیشن، طاقت کا بدترین مظہر ہے۔ آج کے ''مہذب یورپ'' کے تہذیبی ڈھانچے پر نجانے کتنی اقوام کے بہتے لہو سے نہ مٹنے والے خون کے دھبے، ہمیشہ انہیں یاد دلاتے رہیں گے کہ ان کی تہذیب، بے شمار بے گناہوں کے خون سے رنگی ہوئی ہے۔

تاریخ انسانی میں سامراجی قوتوں کا کردار۔۔۔ قتل و غارت گری۔۔۔ ملکیّتوں اور زمینوں پر جبراً غاصبانہ قبضے اور سادہ لوح اقوام کی تہذیبوں کی پامالی سے عبارت ہے۔ مفتوح اقوام کی کھوپڑیوں کے مینار بنانے، عورتوں کی عزتوں کی پامالی اور لاشوں کے ڈھیر لگانے کے بعد کولونیل قوتوں کا حملہ قابض زمینوں کے تہذیب و تمدن، زبان و ادب، رہن سہن اور ثقافت و روایات پر ہوتا ہے۔ سامراج، چونکہ اس خبط میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کی تہذیب، زبان، بود و باش، علمیت و ترقی، مفتوح قبیلے، گروہ، طبقے اور مُلک سے برتر، ارفع و اعلیٰ ہے، لہٰذا وہ مفتوح علاقوں کے محنت کشوں کے خون پسینے کی محنت سے کمائے ہوئے سرمائے سے، اپنے منتخب کردہ ٹاؤٹ حکمرانوں کے ذریعے نافذ کردہ نظامِ تعلیم کے ذریعے مفتوح اقوام کو یہ باور کرواتا ہے کہ ان کی تاریخ، ان کے آباؤاجداد کی دانائی کے قصے، ان کی کہانیاں، ان کی نظمیں، ان کی داستانیں، ان کے ہیروز۔۔۔ غرض یہ کہ ان کا حال، ان کا ماضی۔۔۔ سب کچھ تاریخ کے کوڑے دان میں پھینکنے کے لائق ہیں۔ ان کی روایات ماضی کے چبائے ہوئے لقموں سے بدتر ہیں۔۔۔ ان کی تہذیب کچرے کا ڈھیر ہے۔۔۔ اور اب ان کی ایک پہچان ہے کہ وہ ''غلام'' ہیں۔ جسمانی، ذہنی، رُوحانی اور جنسی غلام۔ ان کی بقا اپنے آقا کی

www.urduchannel.in

تقلید کرنے، اس کی زبان سیکھنے اور خود کو کمتر اور خود پر مسلّط کردہ جابروں، آمروں اور لٹیروں کو عظیم، فاتح اور برتر سمجھنے میں پنہاں ہے۔

تسلّط کار، ظلم، زیادتی، نفرت، قتل و غارت گری کے ساتھ ساتھ نفسیاتی داؤ پیچ سے کام لیتا ہے۔ ہر غیر اخلاقی ہتھکنڈے کو جائز کہتا اور منواتا ہے۔ وہ یہ جھوٹ اس شد و مد سے، اِتنی بار اور اِتنی سفاکیت سے رٹواتا ہے کہ۔۔۔ صدیوں کی ثقافت کے تانے بانے میں بندھے، اپنی دھرتی کی گہری جڑوں کی محبّت میں گندھے، اپنے لوگوں، اپنے پیاروں، اپنے رقص و موسیقی اور اپنے لوک گیتوں کی عشق میں ڈوبے لوگ۔۔۔ حال کے جبر و ظلم میں زندہ رہنے کی جدوجہد میں، اپنی تاریخ، اپنا جغرافیہ، اپنی زبان، اپنی ثقافت، اپنی بود و باش۔۔۔ بدلنے اور بولنے میں جُت جاتے ہیں۔ دن رات خود کو فراموش کرنے کی بے سُود کاوشیں کرتے ہیں۔۔۔ اور اسی رنگ میں رنگنا چاہتا ہے جس رنگ میں ان کے آقا رنگے ہوتے ہیں۔

تاریخ کا یہ ذِلت آمیز دور۔۔۔ جن خطوں اور تہذیبوں نے دیکھا ہے۔ اس میں ہم بدبخت بھی شامل ہیں۔۔۔ مگر۔۔۔ ایک فرق کے ساتھ، ہم آج بھی سامراج کے گماشتوں اور لٹیروں کو اپنے نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ مگر کینیڈا کے حقیقی باشندوں نے بدترین مظالم کو سہتے ہوئے بھی اپنے اصل سے اپنا رشتہ نہ توڑا۔

استعمار کے گُرگے یہ بھول گئے تھے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کی زبان میں لکھی شاعری، ان کی بائبل ہے۔۔۔ جن کے لیے ان کی دھرتی ان کی ماں ہے، جن کے لیے آسمان ان کا سائبان ہے، جن کے گیت، نظمیں اور موسیقی ان کا جزوِ ایمان ہیں۔ انہوں نے بدترین مظالم سہتے ہوئے بھی۔۔۔

لٹیروں کو لٹیرا لکھا۔

غاصبوں کو غاصب کہا۔

جابروں کو جابر۔۔۔ تسلّط کاروں کو تسلّط کار، قاتل کو قاتل، ریپسٹ کو ریپسٹ اور ظلم کو ظلم لکھا۔

www.urduchannel.in

یہ کینیڈا کے اصل باشندوں کا فخر ہے۔ان کا اِفتخار ہے کہ یہ آج بھی اپنے تمدن پر شرمسار نہیں۔۔۔یہ جانتے ہیں ظلم کسی بھی رنگ میں آئے ظلم ہی کہلائے گا۔۔۔قاتل کسی بھی سمت سے آئے، قاتل ہی کہلائے گا۔سامراج کسی بھی آسمانی صحیفے کو ساتھ لائے، سامراج ہی کہلائے گا۔یہی وہ مقام ہے جہاں تاریخ وادب کے درمیان موازنہ، دُنیا کے دانا ترین یونانی فلسفیوں سے چلا آرہا ہے۔تاریخ انسانی سروں کا حساب رکھ سکتی ہے۔کیلنڈروں پہ درج تاریخیں لکھ سکتی ہے کہ اسے اعداد وشمار سے سروکار رہوتا ہے، دلوں کی شکستگی اور رُوحوں کی پامالی سے نہیں۔

کینیڈا کے حقیقی باشندوں کی ایک تاریخ۔۔۔فاتح نے رقم کی تو دوسری اس کے حقیقی باشندوں نے۔اوران حقیقی باشندوں کی تاریخ کو ان کی نظموں کے توسط سے دُنیائے اُردو تک پہنچانے کا بیڑہ نسیم سیّد نے اُٹھایا۔نسیم نے چن چن کر حقائق اکٹھّے کیے۔۔۔زعم برتری میں مبتلا اقوام کی سفاکیت، رُوپ ورنگ کا گھمنڈ، کولونیل ازم کی مکروہ سازشیں، نہتی معصوم اقوام کے وسائل پہ قبضہ گیری۔۔۔اوران کی نسلوں کو بدل دینے کا جنسی، جنگی اور مجرمانہ جنون، تہذیب وتمدن کے پُرفریب نعروں میں چھپی نفرت کی سیاست، غرض کہ ہر موضوع پر نسیم نے مواد اکٹھا کیا اوران۔۔۔سادہ لوح، پرامن، مدرسری نظام کے پروردہ، فطرت وقدرت کے مظاہر سے محبّت کرنے اور غمزدہ گیت گانے والوں کی عزاداری، اشکباری اور سوگواری میں نسیم خود بھی شامِل ہوگئیں۔وحشتوں اور بربریت کی اس ہولناک داستان لکھنے میں اُنگلیاں ودل تو کیا، رُوح بھی زخم زخم ہوگئی ہوگی۔۔۔مگر۔۔۔نسیم سیّد نے اس کتاب کو مکمّل کرتے ہی دم لیا۔

کتاب کیا ہے؟
حکایتِ خونچکاں ہے
داستانِ رنج واَلم ہے
قصۂ دردوغم ہے

www.urduchannel.in

ایک ایسا نوحہ ہے جو اگر ریگستان میں گایا جائے تو مانو آسمان رو رو کر دشت کو جل تھل کر دے۔

ساؤتھ ایشیا کے بے شمار باشندے ہجرت کر کے کینیڈا آئے جن میں قلم قبیلے کے افراد بھی شامل ہیں۔۔۔مگر یہ کتاب لکھنے کا خیال، کسی کو کیوں نہ آیا؟۔۔۔شاید اس لیے کہ نسیم کسی کا اُدھار نہیں رکھ سکتی۔۔۔وہ محبّتوں، رفاقتوں، دوستیوں اور زندگی کے حساب میں بہت کھری ہے۔واضح، دوٹوک اور بے باک۔۔۔اور جب بات حرف کی آئے۔۔۔حرف کی حرمت کی آئے اور پناہ دینے والی دھرتی کی۔تب نسیم اپنی ذات تو کیا۔۔۔اپنے قبیلے کا ادھار چکتا کرنے پر تُل جاتی ہے۔یہ جملے لکھتے ہوئے مجھے بے ساختہ نسیم کی نظم ''مجھ کو مہران یاد آتا ہے'' یاد آئی ہے، جس میں نسیم سیّد نے سندھ دھرتی اور اپنی ماں کے لیے اپنی بے پناہ محبّت اور ہجرت کے درد کو لفظوں میں یوں سمویا:

شام کے سُرمئی اُجالے میں
دودھیا روشنی سے پروالے
سی گل اِک دوسرے کی سنگت میں
آشیانوں کی سمت اُڑتے ہوئے
جب فضاؤں میں کوئی پگڈنڈی
اُجلی اُجلی بناتے جاتے ہیں
سوچ کی گرد گرد راہوں سے
اجلی پگڈنڈیوں تلک جب یہی
لالٹینیں سی دھرتے جاتے ہیں
اس گھڑی سارے کام چھوڑ کے میں
اُجلی پگڈنڈیوں پہ اُڑتی ہوئی
ایک بستی میں جا نکلتی ہوں

www.urduchannel.in

ایسی بستی کہ جس کے رسم ورواج
مجھ سے مانوس، مجھ کو جانتے ہیں
جس کی گلیاں مکان باغیچے
میرے بچپن سے مجھ کو جانتے ہیں
(اب مگر بدگمان سے رہتے ہیں)
جس کی مٹی میں
سائیں سچل کے
مست گیتوں کی سوندھی خوشبو تھی
پیار کی رسم تھی بھٹائی کی
(اب جہاں صرف خاک اڑتی ہے)
اسی بستی کے اک محلے میں
بوڑھے گھر کے اداس کمرے میں
میری یادوں کی ایک ایک کتاب
کیسے کیسے محبّتوں کے خواب
شیلف پر یوں سجے سے رکھے ہیں ت
جیسے بے جان سرد کمرے میں
زندگی کا یقیں دلانے کو
کوئی تصویریں ٹانگ دیتا ہے
پیار سے چھو کے ان کو دیکھتی ہوں
تہہ بہ تہہ گرد ان کی پونچھتی ہوں
ایک شفاف اُجلی چوکی سے
آٹھ کے اجرک گلے لگاتی ہے

www.urduchannel.in

مامتا جیسے لمس کی راحت
میری نس نس میں پھیل جاتی ہے
میری ماں ننگے سر، شکستہ بدن
لٹ کے اس شہر میں جب آئی تھی
اسی اجرک نے اپنے آنچل سے
اس کے زخموں کی خاک پونچھی تھی
اس کے سر پہ رداڑھائی تھی
آج اس مہربان آنچل کی
ہر شکن سرد سرد آہیں ہیں
ایسے سارے اداس لمحوں میں
مجھ کو مہران یاد آتا ہے
جاں جاں، دِلرُ بامرا مہران
دھیمے دھیمے اُداس لہجے میں
دیر تک مجھ سے بات کرتا ہے
دیر تک میرے ساتھ رہتا ہے

بیتے موسم کی اچھی یادوں سے
ہم بہت سے دیئے جلاتے ہیں
اور مناجات کرتے جاتے ہیں
صبح دم سیگل
آشیانوں سو
رزق کی سرزمیں کو اُڑتے ہوئے

www.urduchannel.in

چہچہاتے ہیں، گاتے جاتے ہیں
اور میں
سیکڑوں سوالوں کی
ایک گٹھڑی سی پشت پر لادے
تھکی، پژمردہ لوٹ آتی ہوں

اور جب وسیع و عریض دُنیا، سرزمینِ کینیڈا نے نسیم سیّد کو پناہ دی۔۔۔اور وہ نوآبادیاتی نظام کے شکنجے میں جکڑے، اس مُلک کے حقیقی باشندوں پر گزرنے والے مظالم سے آگاہ ہوئی کہ دھرتی کے یہ بے شناخت باشندے کبھی اس دھرتی کے والی تھے، وارث تھے۔ یہ زمین ان کی تھی۔۔۔یہ وسائل ان کے تھے۔۔۔اور جو آج تک منتظرِ انصاف ہیں، تو اس نے ان مظلوموں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور اپنے ضمیر اور قلم کی طاقت سے اس خوفناک اور جان لیوا سچ کو لکھا، جس کا سامنا کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ نسیم سیّد لکھتی ہیں:

''نوآبادیات نے قدیم النسل مردوں، عورتوں اور بچوں کو گویکساں متاثر کیا لیکن عورتوں کو جسمانی اور روحانی دونوں مار ماری، انہیں قتل کرنے سے پہلے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا اور طرح طرح سے ذلیل کرنا ایک معمول تھا۔ نوآبادیاتی حکمرانوں کے پاس اپنے مفتوح کو برباد کرنے کے ہر قسم کے ذرائع ہوتے ہیں ہیں، جہاں وہ طاقت کے بوتے پر انہیں اپنا غلام بناتے ہیں وہیں نفسیاتی مار بھی مارتے ہیں۔ کینیڈا میں پس نوآبادیات یعنی آج بھی ہزاروں کی تعداد میں غائب چکی ہیں اور مسلسل ہو رہی ہیں۔ انہیں زمین کھا جاتی ہے یا آسمان، کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس غائب ہونے کے پیچھے انڈینز کو یقین ہے کہ وہی پرانی سازش ہے کہ ان کی نسل کو ختم کر دیا جائے۔ کینیڈا کے ایک ایبوریجنل ادیب تھامس وائٹنگ نے اپنی بائیس سالہ حاملہ کزن کے اغوا کے بعد قتل کر دیئے جانے کے حوالے سے چار سال پہلے ایک طویل مضمون میں'' نوآبادیات کے اثرات زندگی پر'' میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے اس موضوع پر کہ انڈین خواتین رائٹرز کا

www.urduchannel.in

مزاحمتی لہجہ ان کے ادب میں تلخ کیوں ہے۔نو آبادیاتی حکمرانوں کا دور عورتوں کی وحشیانہ آبروریزی کی لرزہ خیز داستانیں ہیں۔ان کے پرائیویٹ پارٹ کو کاٹ کے درختوں کی شاخوں پر ٹانگ دیا جاتا۔ریپ کے بعد ان کی برہنہ لاش بیچ سڑپ پر پھینک دی جاتی۔''

نسیم نے ایبوریجنل باشندوں کیاس ظلم و جبر کے خلاف لکھی شاعری اکٹھی کی جو تاریخ کا ایک انمٹ باب بن چکی ہے۔اس شاعری میں عورت کی آواز نمایاں ہے کہ فطرت سے محبّت کرنے والی ان اقوام کے پاس عورت،انسان تھی،ذہین وفطین انسان۔اس کا مقام معاشرے میں افضل ومحترم تھا۔۔۔ایک ایبوریجنل شاعرہ کرسٹوفر کی نظم ہے:

تمہیں استعمال کے بعد قتل کر دینا ہی مناسب ہے
میری ماں نے بتایا
''ہم اپنے وجود سے شرمندہ تھے
سفید آدمی ہمیں دیکھ کے
نفرت سے ہمارے منہ پر تھوک دیتے
''بدشکل جنگلی عورتیں''
وہ ہم سے کسی کو بھی
کسی بھی وقت بے لباس کر سکتے تھے
ہمارے گندے جسم کو استعمال کر کے
قتل کر سکتے تھے
یا سڑک پر ہمیں دیکھ کے
اپنی گاڑی سے کچل سکتے تھے
یہ سب کچھ روز کا معمول تھا
مجھے اپنے آپ سے شرم آنے لگی تھی

www.urduchannel.in

مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں اتنی بدصورت ہوں
کہ اسی سلوک کی مستحق ہوں
میں شرم کے مارے مرجانا چاہتی تھی''
میری ماں ریپ کے بعد قتل کر دی گئی
مگر وہ میری نظموں میں
زندہ ہے
اور اب جب میں یہ نظم اس کے قاتلوں
کو سناتی ہوں
تو ان کے سر شرم سے سینوں سے جا لگتے ہیں
ماں!
تیری بے عزتی کا بدلہ
میرا قلم لے رہا ہے
میری نظمیں تیرا وقار واپس چھین کے رہیں گی

بقول نسیم سید، یہ نظم بہترین مثال ہے قلم کی اس طاقت کی جس نے وقت کے دھارے کو اپنی مٹھّی میں جکڑ کے اس کا رخ موڑ دیا ہے۔

بڑے ادیب یا شاعر، درحقیقت وہ ہوتے ہیں جو ہر دور کے جبر کے سامنے، سچ کا علم تھامے مظلوموں اور بے کسوں کی صدا بن کر مشکل مگر راست سمت میں کھڑی ہوتے ہیں۔ خواہ حق و سچ کے اس سفر میں انہیں کتنی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ کردار کی یہ عظمت ہی انہیں وہ لفظ و فکر عطا کرتی ہے جس سے وہ خلقِ خدا پر بیتتے قہر اور کرۂ ارض پر بپا ہونے والے سانحات کو اپنے دامن میں بھر کر، اپنے آنسوؤں سے نتھار کر۔۔۔ نثر یا نظم کی شکل میں، فنکارانہ مہارت سے دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ ادیب اور شاعر اس دُنیا کا نہ صرف حساس ترین بلکہ خوبصورت ترین سرمایہ ہیں۔ ان کی آواز اور ان کے لفظوں کے بغیر، سسکتی

www.urduchannel.in

اِنسانیت لاوارث ہے۔حق وانصاف کا ساتھ دینے والے ان باکمال لوگوں میں نسیم سیّد بھی شامل ہیں۔سچ کا سامنا کرتے ہوئے نسیم کا قلم کسی لمحے نہیں ڈگمگاتا۔وہ اس ناقابلِ برداشت بھیانک سچ کے پاتال میں اترتی ہیں۔اس گھپ تاریکی کے عقوبت خانے میں ہونے والے گھناؤنے جرائم اور بے کسوں کی دلدوز چیخوں کو بے پایاں جرأت،عظمت اور دلیری سے اپنے لفظوں کی زبان عطا کرتی ہیں:

''حکومت کی طرف سے انڈینز کو انسان بنانے کے لئے جو مدرسے قائم کئے گئے وہاں کمسن لڑکیوں کے ریپ کی بھی لرزہ خیز داستانیں موجود ہیں۔بے شمار بچیاں حاملہ ہو جاتی تھیں اور لاکھ دہائی دینے کے باوجود کے وہ بے قصور ہیں ان کو سخت سزائیں ملتیں ذہنی، جسمانی اور روحانی تشدد برداشت کرنے والے ان انڈین نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری بلکہ اپنے قلم کو اپنے نیزے اور ڈھال دونوں میں بدل دیا۔امریکہ کینیڈا اور دیگر جن جن ممالک میں انڈینز موجود تھے وہاں عوام میں ان پر ہونے والے مظالم کے خلاف ایک تو مقامی ادیبوں، کالم نویسوں اور میڈیا میں ان کے حق میں آواز بلند ہونے لگی اور آخر کب تک نہ ہوتی کہ پانچ سو سال گزر چکے تھے ان مصائب کو سہتے ہوئے۔اس عرصہ میں مقامی زبان (انگریزی) میں لکھنے کی صلاحیت انڈینز کی نوجوان نسل میں پیدا ہو چکی تھی ان کی آواز کو زنجیر کرنا اب مشکل تھا۔عورتیں گوروزِ اوّل سے آسمانی اور زمینی ضابطوں کی پابند رہی ہیں۔لیکن ان کی مٹی کا نم عجب جوہر رکھتا ہے جو سو بار زمین گاڑے جانے کے باوجود پھر سے پھوٹ آتا ہے۔ایبوریجنل عورت ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دی گئی۔۔۔اس کی روح کی دھجیاں درختوں پر ٹانگ کے اس کے وجود کا مذاق اُڑایا گیا۔۔۔اس کے خاکے بنائے گئے جس میں جانوران کے برہنہ جسم کو بھنبھوڑ رہے ہیں اور ان کی آبروریزی کر رہے ہیں۔۔۔ان کے چہرے مسخ کر دئے گئے مگر اس نے اپنے وجود کو ایک بار پھر سمیٹا اور پورے جلال اور جمال کے ساتھ ڈٹ گئی آبادکاروں کے وحشی قوانین کے سامنے۔''

www.urduchannel.in

نسیم سیّد یہ کڑوا سچ آپ کے سامنے پیش کر کے جرات رندانہ سے کہتی ہیں، یہ ہے استعمار کا اصل چہرہ، جسے اپنے اصل سے خائف، کئی اقوام اب بھی دیکھنے سے قاصر ہیں۔اوران کا ادب اب بھی طاغوتی طاقتوں کا آلہ کار بنا ہوا ہے۔ادب کیا ہونا ہے، کیا ہونا چاہیے،اور کیوں لکھا جانا چاہیے،ادیب کی ذمیداری کیا ہے۔اس کتاب سے بہتران سوالوں کا جواب بھلا کون دے پائے گا۔سچا ادب بے ریا ہوتا ہے،اپنی زمین اوراس کے باسیوں کے دکھ سکھ، آنسوؤں، آہوں اور سسکیوں کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔مصلحت کے نام پر جھوٹ اوردروغ گوئی سے دور ہوتا ہے۔

میرا بس چلے تو میں وطن عزیز میں جھوٹ پر مشتمل حملہ آوروں اور رہزنوں کے گن گاتی نصابی کتب کی جگہ،نسیم سید کی اس کتاب کو سوشل سائنسز کے نصاب میں شامل کروا کر، اصحاب طبل وعلم سے دست بستہ عرض کروں۔۔۔سرکار بہت ہو گیا جھوٹ، کئی نسلیں اپنے دشمنوں کو دلدار سمجھ کر اپنے ہاتھوں علم ودانش کی شمعیں گل کرتی رہی ہیں۔اس کتاب کو ہر اسکول، کالج اور یونیورسٹی جانے والے بچوں کو پڑھائیں اور آغاز آگہی کے اک نئے دور کا آغاز کریں۔ مجھے یقین ہے۔نسیم سیّد کی اس کتاب کو سچائی کے پرستار دیوانہ وار پڑھیں گے۔اس کتاب میں موجود شاعری پڑھ کر، تیسری دنیا کے بے شمار شاعر ہمیشہ زندہ رہنے والی نظمیں لکھیں گے جو دھرتی کے اصل وارثوں کو انصاف دلوائیں گی۔وقت قریب آیا چاہتا ہے کہ دنیا بھر کے مظلوم ومحکوم عوام مرثیے نہیں، نوحے نہیں۔۔۔اب بغاوت کے گیت گائیں گے۔

ڈاکٹر شہناز شورو

www.urduchannel.in

# پیش لفظ

زندگی میں یوں تو بار بار ایسے مواقع آئے کہ خود کو بڑی محنت سے لکھا اور پھر پورا کا پورا مٹا دیا اور مزے کی بات کہ اس کا کوئی صدمہ بھی نہیں ہوا۔

سب اچھا ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہے کہہ کے بات ختم لیکن اس بار کا واقع ہی کچھ اور تھا۔ جدید ٹیکنالوجی کی جہاں بے شمار مہربانیاں ہیں۔ اس کا قہر بھی اس سونامی سے کم نہیں جو ایک لمحہ میں سارا کچھ سمیٹ لے جاتی ہے۔ لہٰذا ایک وائرس میری ڈیڑھ سال کی محنت سے لکھے ایک سو ساٹھ صفحات سمیٹ لے گیا ایک سیکنڈ میں۔ یہ صدمہ ایسا تھا کہ مہینوں لگ گئے اس سے نکلنے میں۔ ایسے تمام مواقع پر مجھے خود کو اس چیونٹی کی کہانی یاد دلانی ہوتی ہے جو بار بار گرتی تھی مگر پھر پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیتی تھی۔ اس کتاب کو دوبارہ لکھتے ہوئے بارہا دل چاہا کہ ادھورا چھوڑ دوں۔ پورا ایک سال اور لگ گیا لیکن کتاب پوری کر ہی ڈالی۔ بہت سی نظمیں رہ گئی ہیں۔ صفحات کم ہو کے شاید ایک سو بیس رہ گئے ہیں۔ سوچا ہے دوسرے ایڈیشن میں مزید نظمیں شامل کروں گی۔ ان نظموں کے بارے میں مجھے جناب انورسن رائے کے وہ الفاظ نقل کرنے ہیں جو انھوں نے اودوینس کی نظموں کے تراجم کے حوالے سے اپنے پیش لفظ میں لکھے ہیں کہ اگر وہ الفاظ نقل نہ کرتی اور ہو بہو وہی اپنی سوچ لکھ دیتی تو ''پیش لفظ کا سرقہ''

www.urduchannel.in

ایک نئی ٹرم وضع کروادیتی میری بات۔انورسن رائے کہتے ہیں:

ان چند باتوں کے سبب میں محسوس کرتا ہوں کہ ترجمہ، ترجمہ نہیں ہوتا۔ترجمہ تو ناممکن ہے۔ممکن یہ ہے کہ ترجمہ کرنے کی کوشش میں اصل کی جگہ کچھ ہو اور اگر کسی کو ناگوار نہ ہو تو ایک نئی ماخوذ تخلیق اپنا وجود قائم کر لیتی ہے۔آپ چاہیں تو اسے اصل کے حوالے سے پڑھیں۔آپ چاہیں تو اسے ایک الگ تخلیق کے طور پر پڑھیں۔اگر یہ نظمیں آپ کو ترجمہ لگیں تو یہ اودوینس کی ہیں اور نہ لگیں تو ہر کمی وبیشی کے ساتھ میری ہیں۔''

تراجم میں جس طرح اصل شاعری کی رُوح مٹھّی میں دبوچ کی تڑپائی جاتی ہے اسے برداشت کرنا بڑی ہمت کا کام ہے۔ان نظموں کی رُوح کو بچالیا میں نے اور انہیں اپنے الفاظ کا لباس دیا ہے۔کم ازکم مجھے خوشی ہے اس بات کی۔

محترم محمد حمید شاہد کی شخصیت جہاں فکشن اور تنقید کی دُنیا کا ایک اہم حوالہ ہے وہیں ان کی شخصیت کی سادگی و اِنکساری ایک الگ شناخت عطا کرتی ہے۔میں انتہائی منون ہوں محمد حمید شاہد صاحب کے تبصرے کے لیے۔

افتخار عارف صاحب ''ایبوریجنل کی شاعری کے تراجم'' جو کہ میری پہلی کتاب تھی اس پر اپنی حتمی رائے سے نوازا تھا۔اسے تبرکِ جاں کے اس کتاب میں سجادیا ہے۔شہناز شورو جیسی خالص انسان اور بڑی تخلیق کار کا مجھے میسر ہونا قدرت کی چند بڑی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی ہے۔موجودہ دور کی افراتفری اور منافقت والی بھیڑ بھاڑ میں شہناز شورو جیسے کسی ایک دوست کا میسر آجانا بھی کیسی خوش نصیبی ہے، یہ میرا دل جانتا ہے۔شادمانیوں اور کامرانیوں کی تمامتر دُعائیں تمہاری نذر۔سب محبّتیں اور بہت سا احساسِ تشکّر۔

ان چہروں کے نام بہت محبّتیں، بہت دُعائیں جو مجھے روز نئی زندگی اور نیا حوصلہ عطا کرتے ہیں۔وہ ہیں تو زندگی بہت خوبصورت ہے۔

نسیم سیّد

www.urduchannel.in

**پوسٹ کولونیل لٹریچر** اور تھیوری اس تحقیق کے گرد گھومتی ہے کہ جب دو کلچر کا ٹکراؤ ہوتا ہے اور اس میں سے ایک اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر صلاحیتوں کا مالک اور برتر مخلوق سمجھتے ہوئے طاقت کے استعمال سے دوسرے کے اختیارات، ان کے وسائل اور ان کی تہذیب پر قابض ہو جائے تو کمزور اور مغلوب قوم اور اس کے ادب پر اس کے کیا اثرات ہوتے ہیں؟ نو آبادیاتی لوٹ کھسوٹ کے بعد بھی جس قوم کے تخلیق کاروں کے تخلیقی سوتے خشک نہیں ہوئے انہوں نے اپنے کچلے اور پسے ہوئے لوگوں کا ہاتھ تھام کے خاک سے اٹھایا اور تسلّط کاروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کرنے کا نیا لہجہ، نیا ڈھنگ اور نیا وقار عطا کیا۔ ہم تک سیاہ فام پر نو آبادیاتی دور کے مظالم کی داستانیں پہنچ چکی ہیں اور ہم ان کے پوسٹ کولینیل ادب سے بھی استفادہ کر چکے ہیں۔ ہمیں فلسطین کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی رتی رتی خبر ہے اور ہم افریقہ کے مارٹن لوتھر کنگ، مایا اینجلو اور دیگر شعرا کی طرح محمود درویش اور ان کے ہم نوا حقیقی آزادی کی تلاش کا ادب تخلیق کرنے والے تخلیق کاروں کی تخلیقات تراجم کے ذریعہ پڑھ چکے ہیں۔ صومالیہ کی شاعرات۔ ویتنام کے تخلیق کار سب کی معاشی، معاشرتی اور جسمانی پسپائی اور فکری توانائی سے واقف ہیں۔ لیکن جس قوم نے یوروپین نو آبادیاتی تسلّط کاروں کے لرزہ خیز ظلم و ستم کو سو سال تک جھیلا ان تفصیلات سے کم واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ مظالم کیا تھے؟ وہ تسلّط کیسا وحشیانہ تھا؟ کتنے عرصہ تک ان کے قتل عام کا

www.urduchannel.in

بازار لگا رہا؟ اور پھر کس طاقت نے انڈینز کو وہ ہمت دی کہ اپنی خاک کو زمین سے بٹور کے خود کو دوبارہ تعمیر کریں۔ کینیڈا کی اولین النسل اقوام پر نو آبادیاتی اثرات کا مختصر جائزہ ضروری محسوس ہوا مجھے تا کہ خواتین کی جن نظموں کا ترجمہ پیش کیا ہے اس کتاب میں اس میں موجود احساسات، احتجاج، غم، غصہ، اُمنگ، جوش، جذبہ پورے پس منظر کے ساتھ سمجھ میں آ سکے۔ ان تمام حقائق کو جانے بغیر، ان کے کلچر کو سمجھے بغیر، ان کے زخموں کی گہرائی سے پوری واقفیت کے بغیر ایبوریجنل کی شاعری سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہوا جا سکتا۔ یہ وہ قوم ہے جس نے نو آبادیاتی حکمرانوں کے نہ صرف بھیانک مظالم سہے ایک طویل مدت تک بلکہ انہوں نے ان سے ان کی شناخت ان کا نام ان کے رسم و رواج ان کا کلچر سب چھین لیا۔۔۔

کلچر اپنے افراد کی تخلیقی صلاحیتوں کا مظہر ہوتا ہے وہ خواہ زبان ہو یا ادب۔ موسیقی ہو یا ڈانس، عقائد ہوں یا تہوار، سب برس ہا برس میں ان کے اندر رچتے بستے ہیں اور انہیں ایک دوسرے سے جوڑ کے رکھتے ہیں۔ ایک تسبیح کے دانے کے طرح افراد اپنے کلچر کے دھاگے میں پروئے الگ الگ ہونے کے باوجود خود کو ایک دوسرے سے جڑا پاتے ہیں۔ کولونائیزیشن یا آبادکاری اس اکائی کو ختم کر کے انہیں ان کے وجود سے گویا الگ کر دیتی ہے۔ آبادکاری اس تسلّط کا نام ہے جس میں ایک قوم دوسری قوم کے علاقے میں قوت کے زور پر زمین اور دیگر وسائل ہتھیانے کے ارادے سے اپنا اقتدار قائم کر کے اس زمین پر موجود افراد کو اپنی حاکمیت میں لے کے اپنا غلام بنا لیتی ہے۔ یوروپین اقوام اور ان کے سربراہ اس غاصبانہ تسلّط کی بدترین مثال ہیں۔ انہوں نے شمالی امریکہ میں موجود انڈینز پر اپنی حاکمیت قائم کرنے کے لئے جس قتل عام کا بازار لگایا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ یوروپین نو آبادیات کا آغاز پندرھویں صدی سے ہوا اور ایک طویل عرصہ تک انڈینز کے قتل اور ان کی غارت گری کا بازار گرم رہا۔ جب فاتح اپنا جبریہ تسلّط اس طرح قائم کریں کہ مفتوح سے ان کا نام، ان کا عقیدہ، ان کی روایات ان کا ماضی سب کچھ چھین لیں تو گو مفتوح قوم کے ہونٹ پتھر ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان کی روح پر لگنے والا ایک ایک زخم ان کے شعر و ادب میں ایک نئے لہجے

www.urduchannel.in

کے ساتھ مخاطب ہوتا ہے۔ ایسا لہجہ جس کی گونج کو کوئی خنجر قتل کر سکتا ہے نہ اس کے سینہ کو کوئی گولی چھید سکتی ہے۔ لہٰذا ظلم وستم کا طویل دورانیہ اور ایبوریجنل کے اندر بھڑکنے والے شعلوں نے ان کے ادب کو ایک ایسا لہجہ عطا کیا جو اس دور کے ان یوروپین تنقید نگاروں کے منہ پر ایک طمانچے جیسا ہے جن کی پیشین گوئی تھی ''یہ وحشی کچھ عرصہ میں اپنی موت آپ مر جائیں گے۔''

مگر یہ اپنی موت آپ نہیں مرے بلکہ اپنی تمامتر مذہبی اور معاشرتی روایات کے ساتھ زندہ ہیں۔ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ اپنی تخلیقات میں اپنی فکری قامت کا مقام بھی متعیّن کر چکے ہیں۔ ان کے افسانے ہوں یا سوانح۔ مضامین ہوں یا شاعری یہ وہ دستاویزات ہیں جن کو جھٹلانا یا مٹانا خود آبادکاروں کے لئے ناممکن ہو گیا ہے۔ مشہور کہاوت ہے کہ ''جب تک کسی شخص کا نام لیا جاتا رہے وہ نہیں مرتا۔'' یہی اعلان شاید ظلم وستم کی داستانوں کا بھی ہے۔ جب تک وہ دہرائی جاتی رہیں مظلوم قوم بھی زندہ رہتی ہے۔ جس روشنی کو گھوڑوں کے سموں سے کچل کے یزیدان وقت فتح کے شادیانے بجاتے ہیں، جشن مناتے ہیں کہ طاقت کے بل بوتے پر صفحۂ ہستی سے زندہ آوازوں کو مٹا دیا ہے انہیں بعد میں سوائے شرمندگی کی کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ یوروپین آبادکاروں نے انڈینز کے وجود کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کر دینے کے لئے طاقت کا ہر وہ طریقہ استعمال کیا جو ممکن تھا اور اپنے جانتے انہیں یقین بھی ہو گیا کہ انہوں نے بچے کھچے انڈینز کے وجود میں بیچارگی، مجبوری اور خوف کو اس طرح تہہ در تہہ اُتار دیا ہے کہ وہ کبھی بھی اپنا چہرہ تلاش نہیں کر پائیں گے۔ غلامی ان کا شعار ہوگی اور یہ مفت کے خدمات گار ہمیشہ اطاعت میں رہیں گے۔

وہ طاقتیں جنھوں نے بار بار اعلان کیا ان کے بارے میں۔

''یہ جنگلی جانور جلد ہی اپنی موت آپ مر جائیں گے اور اس روئے زمین سے ان کا نام ونشاں مٹ جائے گا'' اپنی تمامتر کاوشوں کے باوجود ان کو مٹانے میں ناکام رہے۔ اس بیان کے پس بیان ظلم واستبداد کے نہایت بھیانک تاریخی شواہد موجود ہیں۔ یہ بھیانک

www.urduchannel.in

شواہد کیا ہیں؟ ایبوریجنل کی نظمیں پیش کرنے سے پہلے پورے پس منظر کا ایک مختصر جائزہ اوران کے حوالے سے کچھ سوالوں کے جواب ضروری ہیں۔مثلاً شمالی امریکہ کے حقیقی باشندے کون ہیں؟

کیا یہ ہمیشہ سے یہاں موجود تھے یا کہیں سے ہجرت کر کے آئے؟

یوروپین تسلّط سے پہلے ان کے حالات کیا تھے۔

نو آبادیاتی تسلّط کے بعد ان کو کن مسائل کا سامنا تھا جنہوں نے ان کو ذہنی اور جسمانی طور پر توڑ کے رکھ دیا؟

اس تمام تر پس منظر کے بعد بھی وہ آج تک اپنی تمام تر روایات کے ساتھ اپنے ادب میں کیسے زندہ ہیں؟

ان سوالوں کا جواب انہی صفحات میں آگے چل کے ملے گا۔

انسان اس کائنات پر کب سے آباد ہے، اس بات پر آج بھی کسی ٹھوس ثبوت کے ساتھ ایک جواب پر متفق نہیں ہوا جا سکتا بلکہ جب بھی کوئی نیا ثبوت کسی انسانی ڈھانچے، کھوپڑی یا جسم کی کسی ہڈی کی صورت میں ملتا ہے تو اس کے ڈی این اے کے ذریعہ ایک نئی دریافت انسان کی زمین پر موجودگی کے گزشتہ شواہد کی مدت کو رد کر دیتی ہے۔سائنس دانوں نے دو ہزار سے لے کے اڑھائی لاکھ پرانے انسانی ڈھانچوں یا ان کے جسم کے مختلف اعضا کے ڈی این اے کے ذریعہ یہ دریافت کر لیا ہے کہ انسان کی موجودگی لاکھوں سال پرانی ہے لیکن کون جانتا ہے کہ کب کوئی اور جبڑا، کوئی سر، کوئی ڈھانچہ اس سے بھی قدیم مل جائے اور پہلی تھیوری رد کر دی جائے، لہٰذا شمالی امریکہ کے مقامی باشندے اس دور میں جسے آئس ایج کہا جاتا ہے کب اور کہاں سے آئے اس سوال کا جواب کون دے۔یہ برف کی زمین پر کیسے زندہ رہے اس حوالے سے شواہد ملتے ہیں کہ وہ جانوروں کی کھال سے جسم ڈھانک کے خود کو سرد موسم کے تھپیڑوں سے محفوظ رکھتے تھے۔جانوروں کا شکار ان کی غذا تھی اور محنت ومشقّت کی زندگی گزارنے کی سبب بہت گٹھے ہوئے جسم رکھتے تھے۔قدرت انسان کو مشکل

www.urduchannel.in

سے مشکل حالات میں بھی زندگی کرنے کے تمام گر سکھا ہی دیتی ہے لہٰذا قدرت کے سکھائے ہوئے زندگی کرنے کے اسی گُر کے سبب انہوں نے بھی برفیلی ہواؤں پر کمند ڈال کے انہیں یوں اسیر کرلیا کہ برفیلی فضائیں انہیں برف کے مجسّموں میں تبدیل نہیں کرسکیں۔

شمالی امریکہ کہ حقیقی باشندوں کی یوروپین تسلّط کے وقت کی تصاویر میں یہ گٹھے ہوئے جسم کے افراد سخت مشقّت کرنے والے انسانوں کا تصور قائم کرتے ہیں۔ آئس ایج کے یہ انسان گروہ کی صورت میں رہتے تھے اور مچھلی سے لے کے بڑے بڑے جانوروں کا شکار کرتے تھے۔ ہاتھی کا شکار کرنا اور وہ بھی لکڑی کے معمولی نیزوں سے، کتنا مشکل ہوگا؟ تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ یہ سب مل کے شکار کرتے تھے اور مل بانٹ کے شکار کو کھاتے تھے۔ اس یکجہتی کا تصور آج بھی ان کے یہاں بہت مضبوط ہے۔ خاندان کے مضبوط تصور سے جڑے یہ اپنی تمام تر تہذیبی اور معاشرتی روایات کے ساتھ نہ جانے کب سے برف پر زندگی مزے سے گزار رہے تھے لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا سو اپنے قدیم تر ٹھکانے سے انہیں ہجرت کرنی پڑی۔۔۔ آئس ایج کے انسانوں کو مشکل کا سامنا جب ہوا جب موسم کا مزاج بدلا اور برف نے پگھلنا شروع کیا۔ اس صورتِ حال کو جانوروں کی چھٹی حس نے پہلے محسوس کرلیا اور انہوں نے اس جگہ سے جہاں وہ نہ جانے کتنی پشتوں سے موجود تھے ہجرت کرنی شروع کی جانوروں کی ہجرت نے ان قدیم النسل انسانوں کو بھی جانوروں کے شکار کے لئے ان کا پیچھا کرنا ضروری ہوگیا۔ یہ صرف قیاس نہیں ہے بلکہ محققین کو قدیم ترین ملنے والے ڈھانچوں کے قرب وجوار سے جو لکڑی کے نوکیلے نیزے اور جانوروں کی ہڈیاں ملی ہیں وہ جانوروں کے شکار اور ہتھیار دونوں کا ثبوت مہیا کرتی ہیں۔ اس ہجرت کا ایک طویل نظم میں جس کے سات ابواب ہیں ایک ایبوریجنل شاعرہ نے The Ronan Robe Series کے سلسلہ کی نظموں میں سے ایک نظم کے پہلے حصہ میں یوں بیان کیا ہے:

''گلیشیرز نے دھکا دیا
اور انسانوں نے حرکت کی

www.urduchannel.in

شمال کی طرف، جنوب کی طرف

یوں دھرتی ماں نے ایک نئی قوم کو جنم دیا''

ایک نئی قوم اس نے شاید اس لئے کہا کہ اگر وہ ہجرت نہ کرتے تو موجود کے تہذیب یافتہ اور باشعور انسانوں کے شانہ بہ شانہ نہ کھڑے ہوتے۔

یہ بات تحقیق سے بھی ثابت ہوچکی ہے کہ گلیشیرز کے پگھلنے نے انسانوں کے اس گروہ کو ہجرت پر مجبور کر دیا سوال یہ پیدا ہوتا ہے یہاں کہ یہ ہجرت کیسے ممکن ہوئی؟ دراصل آئس ایج کے دور میں برنجیا (Beringia) نامی ایک زمینی پٹی تھی جسے لینڈ برج یا زمینی پل کہتے ہیں۔اس کا رقبہ تقریباً ایک ہزار میل تھا۔ یہ زمینی پٹی الاسکا کو سائبیریا سے جوڑتی تھی۔ آئس ایج کے انسانوں نے اول اول اس زمینی پل کے ذریعہ پیدل چلتے ہوئے اور بعد میں کشتی کے ذریعہ ہجرت کی۔ یہ ہجرت تین بڑے گروہوں کی صورت ہوئی۔موجودہ دور کی سائنس دانوں نے انسانوں کے باقیات کے نمونوں کے ڈی این اے کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ یہی وہ پہلے انسان ہیں جو ساٹھ ہزار سال پہلے اسی برنجیا نامی زمینی پل کے ذریعہ افریقہ، انڈیا، ملائیشیا، تیونس اور دیگر ممالک سے پیدل چلتے ہوئے شکار کی تلاش میں آگے بڑھتے گئے اور نہ جانے کتنے برسوں کی مسافت کے بعد کینیڈا، امریکہ اور آسٹریلیا جیسے ممالک میں آباد ہوگئے۔ یہ لوگ آئس ایج کے بڑے بڑے جانوروں بشمول اب ناپید عظیم الجثّہ بالدار ہاتھیوں، کوہانی بھینسوں اور جنگلی ہرن وغیرہ کا شکار کرتے تھے۔اس نظریہ کے مطابق جب ان اوّلین انسانوں نے (Alaska) کی طرف سے شکار کی تلاش میں زمینی پل پار کرلیا تو پھر وہ جنوب کی طرف وسطی مغربی کینیڈا میں نقل مکانی کر گئے ان میں سے کچھ نے کنیڈا میں قیام کیا اور کچھ شمالی امریکہ کے مزید جنوبی علاقوں اور کچھ جنوبی امریکہ کی طرف نقل مکانی کر گئے۔مختصر یہ کہ برفانی دور کے ان انسانوں نے تین گروہوں میں ہجرت کی پہلا گروہ برنجیا کے زمینی پل کے ذریعہ ہجرت کر کے سالہا سال میں ایشیا سے ہوتا ہوئے کینیڈا پہنچا پھر بعد کے دوسرے دو گروہ برنجیا کے پل کے پانی میں ڈوب جانے اور غائب ہوجانے

www.urduchannel.in

کے سبب کشتی کے ذریعہ آئے۔(کشتی میں سفر کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اتنے ہنرمند تھے کہ پانی پر کمند ڈالنے کے لیے کشتی بنانا جانتے تھے ) برفانی زمینوں پر زندگی کی کٹھنائیاں جھیلنے والوں کو اس نقل مکانی کے بعد نئی سرزمین پر سبز جنگل اور ان جنگلوں میں موجود جنگلی پھل تو غذا کے لئے وافر مقدار میں ملا ہی لیکن ان جنگلوں میں جنگلی گھوڑے بھی موجود تھے دیگر جانوروں کے ساتھ۔ ان جنگلی گھوڑوں کو کیسے سدھایا کیسے ان پر سواری کا ہنر آیا یہ کہنا مشکل ہے لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ان گھوڑوں کو قابو کرنا اور ان پر سواری کرنا ان کا مقدر ہوا جنگلی گھوڑوں پر لگام ڈالنے کا ہنر بھی قدرت نے سکھا دیا یوں میلوں کا سفر پیدل طے کرنے کے بجائے اب سواری پر طے کیا جانے لگا۔

(موجودہ کاؤبوائز کا لباس انہی کے گھڑسواروں کی نئی دھج ہے۔ )ان غیر آباد زمینوں نے ابھی تک فصلوں کی ہریالی نہیں دیکھی تھی گو یہ بہت زرخیز تھیں مگر ان کی زرخیزی منتظر تھی ان ہاتھوں کی جو اس مٹی کو لہلہاتے کھیتوں میں بدل دیں۔ سو یہ فریضہ ان باشندوں نے ادا کیا اور ان زرخیز زمینوں پر مکئی کی فصل سب پہلے ان مقامی باشندوں کی خواتین نے بوئی۔ ان حقیقی باشندوں کی زندگی میں عورتوں کا مقام اہمیت اور اوّلیت رکھتا تھا۔ کئی نظموں، اور سوانح میں کینیڈا کی سرزمین پر پہلی فصل اگانے والے عورت کا ذکر تفصیل سے ہے۔ یہ جفاکش عورتیں ہر شعبہ میں زندگی کے مردوں کے شانہ بشانہ تھیں۔ انہوں نے کچھ ہی عرصہ میں گھڑسواری بھی سیکھ لی۔ فصل اگانا، فصل اٹھا کے بھٹے کی اس کی تقسیم اور سرد موسم لئے محفوظ کرنے کے طریقہ سب کچھ ان عورتوں نے اپنی ذہانت کے بل بوتے پر وضع کر لیے۔ جیسا کہ میں نے اوپر کہا ان کی ہجرت تین گروہوں میں ہوئی۔ یہ گروہ کوئی چند سو افراد کے نہیں تھے بلکہ یہ بہت بڑی تعداد میں ہجرت کرنے والے انسان تھے۔ ان کے ہر قبیلے کا اپنا الگ نام تھا۔ رسم ورواج بہت کچھ ملتے جلتے تھے اور سب ایک دوسرے سے مل جل کے زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ ان کی آپس کی خونریزی یا جھڑپوں کی کوئی داستان نہیں ملتی۔ کینڈا کی سرزمین یہاں کی آب وہوا میں رہ کے یہ نئی روح محسوس کرنے لگے تھے اپنے وجود میں

www.urduchannel.in

لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ شکاری ان کی تاک میں ہیں۔۔فلم کے کسی سین میں جیسے ہیرو کی اِنٹری ہوتی ہے اچانک اور پورا منظر بدل جاتا ہے ویسے ہی اس منظر نامہ میں اچانک ہیرو کی اِنٹری ہوتی ہے اور کولمبس کے ہاتھ اس سرزمین کی دریافت کا علم لہراتا نظر آنے لگتا ہے۔۔۔

تاریخ کے صفحات ہمیں بتاتے ہیں کہ کولمبس نے امریکہ کو دریافت کیا،لیکن کولمبس سے بہت پہلے یہ حقیقی باشندے ان زمینوں کو دریافت کر چکے تھے۔ابھی کچھ عرصہ پہلے شائع ہونے والی معروف افسانہ نگار، ناول نگار، تاریخ داں تھامس کنگ کی کتاب The Inconvenient Indian میں کنگ نے انڈینز یا حقیقی باشندوں کے حوالے سے تاریخ کے توڑ مڑوڑ کے پیش کئے جانے والے واقعات کی جس طرح نقاب کشائی کی ہے وہ حیران کُن بھی ہے لائق عبرت بھی کہ یوروپین استعمار کاروں نے تاریخ کے صفحات میں کس چالاکی اور ہوشیاری سے اپنی پسند کے مناظر، نام، واقعات رکھ دیئے ہیں۔کولمبس کے امریکہ کو دریافت کرنے کا واقعہ دریافت اور واقفیت کے فرق کو بڑی چالاکی سے مٹا دیتا ہے۔اگر وہ زمین جس کو کولمبس کی دریافت کہا گیا کوئی غیر آباد ایسا علاقہ ہوتا جو درختوں سے ڈھکا، ساری دنیا کی نگاہوں سے اوجھل، ویران و انسان نا آشنا علاقہ ہوتا تو یقیناً امریکہ کو کولمبس کی دریافت کہہ سکتے تھے لیکن یہاں تو ہزاروں کی تعداد میں انسان پہلے ہی سے موجود تھے ہاں کولمبس نے پہلے پہل جس علاقہ میں قدم رکھا وہاں اسے دور دور تک انسانوں کی آبادی نظر نہیں آئی۔لیکن یہاں ایک بہت اہم مسئلہ تھا۔اگر یوروپین استعمار کار (colonizer) اپنے کولمبس کے سر یہ سہرا نہ باندھتے تو ان کو اس سرزمین اصل باشندوں کو حقیقی وارث تسلیم کرنا پڑتا۔لہٰذا ان کی دُور اندیشی نے بہت چالاکی سے اپنی دریافت کی مہر لگا دی اس سرزمین پر اور اس کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کر لیے۔لیکن اس سرزمین کے اصل باشندوں نے پس نو آبادتی عہد جو تخلیقات پیش کیں ان میں نو آبادکاروں کی تمام تر خورد برد کا حساب چکا دیا ہے۔میں معروف فکشن نگار تھامس کنگ کے الفاظ یہاں کوٹ کرنا چاہوں گی تا کہ کسی شک کی گنجائش نہ رہے۔تھامس کنگ لکھتا ہے:

"In october 1492, Christopher Columbus came ashore somewhere in the caribbeana part of world geography with which Europeans were unfamiliar, and as a consequence, he was given credit for discovering all of the Americas. Columbus didn't discover anything, he simply ranaground, an unexpected land mass. If Columbus hadn't picked up the award, The award could have gone to Norms. They arrived on the east coast of North America long before Columbus.(Norms are called Vikings too)."

ویکنگ یا وائکنگ یا نورس، نارتھ ویسٹ یورپ کے قدیم ترین باشندوں کو کہتے ہیں اور یورپ کی علاقہ Vik سے ہونے کی وجہ سے ویکنگ یا وائکنگ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ تھامس کنگ کی کتاب پڑھنے کے بعد مجھے کھوج ہوئی کہ ویکنگ کون تھے اور کہاں سے آئے؟ اور تفصیلات میں جانے سے کچھ اور ہی دلچسپ ہوگئے اصل واقعات کہ انڈینز کی موجودگی کو بھی دراصل کولمبس سے پہلے ایک یوروپین دریافت کر چکا تھا۔

دسویں صدی میں ایک یوروپین جس کا نام Leif Erikson تھا نیوفاؤنڈ لینڈ کے علاقہ ون لینڈ کی سرزمین پر اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ اس سرزمین پر قدم رکھا۔ یہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ سیاحت پر نکلا تھا۔ دراصل نورمس کی قدیم زبان میں ویکنگ کے معنی ہی سیاح کے ہیں۔

ون لینڈ کی سرزمین اسے بہت پسند آئی اور اپنی کشتیوں کو اُلٹا کر کے سمندر کے کنارے اس نے یوں رکھ دیا جیسے اس کی تلاش کا سفر ختم ہوگیا ہو۔ لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ اس سرزمین کو اس سے پہلے ہی انسان دریافت کر چکے ہیں اور وہ یہاں پہلے سے موجود ہیں۔ ایرک سن اور اس کے ساتھیوں نے اپنی اوندھی رکھی کشتیوں کے نیچے دس انڈینز کو سوتے پایا۔ وہ لوگ شاید تھکے ہارے تھے اور اور موسم کی سختی سے بچنے کے لئے کشتیوں کے نیچے گھس کے سو گئے تھے۔ ویکنگ نے ان دسوں انڈینز کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد ان کی اور انڈینز کی آپس میں ٹھن گئی۔ انڈینز نہیں چاہتے تھے کہ وہ لوگ ان کی سرزمین پر قبضہ کر

www.urduchannel.in

کے انہیں قتل کرتے رہیں۔

کولمبس کے امریکہ کو دریافت کرنے کی سند کو موجودہ دور کے محققین نے مختلف شواہد کے سبب غلط قرار دے دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ وکینگ، کولمبس سے کئی سو سال پہلے شمالی امریکہ کو دریافت کر چکے تھے۔

بہر حال کینیڈا اور امریکہ میں موجود مقامی باشندوں اور یوروپین نژاد ایرک سن کے درمیان ایک عرصہ تک سخت کشیدگی رہی اور آخر کار وہ بددل ہو کے اپنے ساتھیوں سمیت واپس چلا گیا۔ یہ یوروپینز چلے تو گئے، لیکن شمالی امریکہ اپنے معدنی وسائل کے سبب تجارت کے لئے کس قدر مناسب سرزمین ہے یہ تفصیلات اپنے ساتھ لے گئے اور یوں یوروپین اقوام کی نگاہیں اس سرزمین کا طواف کرنے لگیں۔ یورپ کی مختلف النسل اقوام کے سربراہوں نے اپنے محققین بھرپور جائزے کے لئے سرکاری طور یہاں بھیجنے شروع کر دئے۔

1497ء میں انگلینڈ سے ہنری V11 نے جون کوباٹ (John Cobot) کو اس کام پر معمور کیا کہ وہ کینیڈا کی سرزمین کا تفصیلی جائزہ لے اور اس سرزمین کی پیداواری اور دیگر اہمیت کی حامل تفصیلات انگلینڈ کو مہیا کرے تا کہ اس سرزمین کو یوروپین سے آباد کرنے کے حوالے تمام تر مشکلات اور سہولیات کا پورا منظر نامہ ان کے پاس ہو۔ جرنل کوباٹ کی اطلاع کے مطابق کینیڈا کی سرزمین معدنی وسائل اور سونے کے بڑے بڑے ذخائر سے مالا مال تھی لہٰذا فرانس کے بادشاہ نے خود اس سرزمین کا جائزہ لینے کی ٹھانی اور تمام تر ساز و سامان کے ساتھ اپنے جہاز کا رُخ ادھر موڑ دیا۔ کینیڈا کی دریافت کا سہرا مختلف ادوار میں ان مختلف سیاحوں کے سر باندھا جاتا رہا ہے جو اوّل اوّل یہاں آئے اور اس حقیقت پر پردہ پوشی کی کوئی بھرپور کوشش کی گئی کہ کینیڈا میں آئس ایج کے انسان ان تمام سیاحوں کے آنے سے پہلے موجود تھے۔ ان انڈینز یا حقیقی باشندوں کے قبیلوں کے مختلف نام تھے ان میں سے ایک قدیم گروہ یا قبیلے کا نام موہاک (Mohawk) تھا۔ یہ قبیلہ اپنی زبان میں اس جگہ کو جہاں وہ رہتے تھے کناٹا (Kna-ta) کہتے تھے جس کے معنی ان کی زبان میں ولیج یا گاؤں کے تھے۔

www.urduchannel.in

لہٰذا فرانسیسی نزاد سیاح جیکو لین کارٹر نے جب یہ نام سنا تو اس نے سوچا کہ اس سرزمین یا ملک کا یہی نام ہے اس نے کناٹا کو کینیڈا کے تلفّظ میں بدل دیا اور اس نام کا سہرا کارٹر کے سر باندھا گیا جبکہ کینیڈا کو اس کا نام بھی یہاں کے اولیں باشندوں کا عطا کردہ ہے۔

تاریخ کے صفحات کو کھنگالنا جہاں معلومات کے ایک نئے جہاں سے کی سیر کراتا ہے وہیں بعض اوقات اس کے لہولہان صفحات دل کا خون بھی کرتے ہیں۔شمالی امریکہ کے مقامی باشندوں نے اپنی زمین پر ہوتے ہوئے یوروپین کے ظلم وستم کے سبب جس جلاوطنی کو جھیلا وہ دکھ آج بھی ان کے فکشن، تقاریر اور شاعری میں کبھی سسکیوں سے روتا اور کبھی پوری طاقت سے للکارتا نظر آتا ہے۔یوروپینز یہاں کب آئے اس کی تفصیل میں جائے بغیر اس کا مختصر ترین جائزہ یوں لیا جاسکتا ہے۔

چند یوروپین نے ۱۰۰ ویں صدی میں ویکنگ یا نورس کی صورت میں اس سرزمین پر قدم رکھا۔

## 1492ء کولمبس کی آمد

1495ء میں جون کوباٹ، نیوفاؤنڈ لینڈ آیا۔یہ سلسلہ اس کے بعد دراز ہوتا چلا گیا اور 1604ء سے لے کے 1697ء تک یوروپینز نے اس سرزمین پر اپنی اجارہ داری قائم کرلی۔Colonialism کے تحت سفیل انسل نے ہر اس سرزمین کے باشندوں کو اپنا غلام بنایا جہاں انہوں نے قدم رکھا۔ہندوستان ہو یا افریقہ ان کے جبر اور ظلم وستم کی داستاں سے کون واقف نہیں۔لیکن یہ بھی عجب کرشمہ ہے کہ ہر جگہ انہیں منہ کی کھانی پڑی۔

ہندوستان پر سو سال حکومت کرنے کے باوجود وہاں سے بے آبرو ہو کے نکلے۔ وہ سیاہ النسل جن کو ان کی کالونی میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی اس کے ایک فرد اوباما نے آٹھ سال نہ صرف اس ملک پر حکومت کی بلکہ اس وائٹ ہاؤس کو اپنی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کیا جس میں کسی سیاہ فام کے قدم رکھنے کا تصور بھی محال تھا۔مایا اینجلو کی ایک کہانی مجھے اس موقع پر یاد آرہی ہے۔''بچی کے دانت میں کئی دن سے شدید درد ہے اور سیاہ فام

www.urduchannel.in

کے علاقہ میں کوئی دانت کا ڈاکٹر نہیں۔سفید فام کا علاقہ میں ڈاکٹر ہیں اور یہ علاقہ برابر کے محلے میں ہی ہے لیکن کالوں کو اس میں قدم رکھنے کیا اجازت نہیں۔ بچی کی نانی ایک ڈاکٹر کو جانتی ہے کیونکہ اس نے نانی کے والد سے کبھی کچھ رقم ادھار لی تھی لہٰذا وہ ہمت کر کے بچی کو کلینک لے گئی اور پچھلے دروازے سے داخل ہونے کی کوشش کرتی ہے۔نرس بہت سختی سے سوال کرتی ہے کہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ کالوں کو اس کلینک میں آنے کی اجازت نہیں ہے مگر بچی کی نانی بہت خوشامد کر کے کسی طرح اندر چلی جاتی ہے اور نرس سے کہتی ہے کہ میرا نام بتاؤ ڈاکٹر کو وہ بچی کو دیکھ لیں گے بچی شدید درد سے تڑپ رہی ہے۔خیر ڈاکٹر بہت دیر کے بعد آتا ہے اور بڑی نخوت سے پوچھتا ہے کہ وہ کیوں آئی ہے۔ بچی کی نانی بتاتی ہے کہ کس قدر پریشان ہو کے وہ اس کے پاس آئی ہے لیکن ڈاکٹر یہ کہتے ہوئے دیکھنے سے انکار کر دیتا ہے کہ ''میں کتے کے منہ میں ہاتھ ڈال سکتا ہوں مگر کسی کالے کے نہیں۔''

ہندوستان میں سنا ہے کہ اب بھی ایک کلب کے دروازے پر وہ تختی آویزاں ہے جس پر تحریر ہے ''انڈینز اور کتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔'' سفید النسل کے احساسِ برتری سے کچھ بھی بعید نہیں۔لہٰذا شمالی امریکہ کے مقامی باشندوں سے بھی ان نو آبادکاروں نے نہ صرف ان کی زمین چھینی بلکہ ہر اس شے پر قبضہ کر لیا جو تجارت کے لئے منافع بخش تھی۔اس ظلم کی داستان بہت طویل ہے جو انڈینز یا مقامی باشندوں نے گزشتہ سالوں میں جھیلا ہے اور آج تک جھیل رہے ہیں۔

William. M. Osborn نے اپنی کتاب The Wild Frontier میں دیگر تفصیلات کے ساتھ ساتھ یورپی باشندوں کے ہاتھوں انڈینز کے قتل عام کی تمام تفصیلات اکٹھا کر دی ہیں۔اس کے مطابق Juan de Onate نامی یوروپین اور اس کے ساتھیوں نے پندرہ سو اٹھانوے میں اس علاقے میں جو اب نیو میکسیکو کہلاتا ہے آٹھ سو سے زیادہ مقامی باشندوں کے ان نوجوانوں کی بائیں ٹانگ کاٹ دی جن کی عمر پچیس سال سے اُوپر تھی۔

اٹھارہ سو تریسٹھ میں Idaho جو کہ اس وقت Bare River کہلاتا تھا ڈھائی سو

www.urduchannel.in

مقامی باشندوں کو یوروپینز نے چند دنوں میں قتل کر دیا اور یہ سلسلہ عرصۂ دراز تک شہر شہر گاؤں گاؤں جاری رہا۔

اٹھارہ سو چونسٹھ۔ مقامی باشندوں کے قتل عام کا وہ منظر نامہ ہے جس کے لئے حکم تھا یوروپین نو آبادکاروں کا کہ مقامی باشندوں کے علاقہ میں بوڑھے، بچے، جوان، عورتیں جو بھی زندہ نظر آئیں سب کو قتل کر دیا جائے۔ لہٰذا صرف چند گھنٹوں میں تین سو سے زائد بے گناہ اپنی جان گنوا بیٹھے اور چند دنوں میں ہزاروں کی تعداد میں قتل ہوئے۔

1871ء میں ایریزونا کے ایک علاقہ میں ایک سو چالیس انڈین ایک دن میں قتل کر دیئے گئے۔

نو آبادیاتی دور کی یہ صرف چند قتل گاہوں کے نام ہیں ورنہ ایک طویل فہرست ہے کینیڈا اور امریکہ کے ان علاقوں کی ہے جن کی زمینیں مقامی باشندوں کے بے گناہ خون سے لپی گئیں، ان لوگوں کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کے جانوروں کی طرح کھونٹوں سے باندھ دیا گیا، عورتوں کو ریپ کر کے انہیں قتل کر دیا جاتا۔ بہت سی تصاویر گواہ ہیں کہ کہ کس طرح انڈینز سر سے پیر تک موٹی موٹی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور نو آبادیاتی آقاؤں نے ان زنجیروں کو پکڑا ہوا ہے۔ تسلّط کاروں کے پاس ہتھیار بھی تھا اور وہ ذرائع بھی رکھتے تھے، جس کے ذریعہ عوام کی سوچ پر اثر انداز ہو سکیں لہٰذا ان کے بارے میں بڑے وثوق سے بار بار یہ اعلان کیا گیا کہ یہ جنگلی جانور ہر طرح کی انسانی صلاحیت سے محروم ہیں۔ یہ جانوروں کی طرح بولنا نہیں جانتے کیونکہ قدرت نے انہیں انسانوں والی یہ صفت دی ہی نہیں ہے۔ مسیحی مشنری ان اعلانات میں اور ان یقین دہانیوں میں پیش پیش تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ قدرت کے عذاب کے مستحق جانور ہیں جن کے لیے بیماری کی صورت میں عذاب اتر رہا ہے یہ جنگلی بہت جلد اپنی موت آپ مر جائیں گے۔

برطانوی نژاد Gorge Catlin جس نے اٹھارہ سو تیس میں مقامی باشندوں کے مختلف قبائل کی معاشرتی زندگی کا ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا تھا اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

www.urduchannel.in

''مجھے اس بات کا یقین ہے کہ صرف چند سالوں میں اس روئے زمین سے ان جنگلی انسانوں کا نام ونشان پوری طرح مٹ جائے گا۔ اگر ان کے بارے میں دنیا کو کچھ یاد رہا تو صرف اتنا یاد رہے گا کہ کبھی یہاں انسان نما جنگلی جانور رہتے تھے۔''

1868 میں ایک کمیشن ''انڈین پیس کمیشن'' کے نام سے بنایا گیا۔ اس کا سربراہ General John Benjamin Sanborn تھا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا:

"Little can be hoped for them as a distinct people. The sun of their day is fast sinking in the western sky. It will soon go down in a night of oblivion that shall know no morning. No spring time shall renew their fading glory, and no future know their fame.

1859ء کے ایک امریکن اخبار کے معروف جرنلسٹ Horace Greeley نے یوں ہرزہ سرائی کی۔

"The indians are children, their arts, wars, treaties, alliances, habitations, crafts, properties, commerce, tence... I could not help saying, "These people must die out there is no hope for them."

نو آبادیات کے تسلّط کار دوہری مار مارتے ہیں۔ جسمانی اور ذہنی۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ یوروپینز نے افریقہ، انڈیا اور شمالی امریکہ کے مقامی باشندوں کو اس دہری مار سے مارنے کی اپنی سی پوری کوشش کی لیکن ہر بار منہ کی کھائی۔ ہندوستان نے اپنی جہدِ مسلسل سے ایک دن اپنی سرزمین سے انہیں نکال باہر کیا۔ افریقہ کے سیاہ فام پر جو ظلم وستم توڑا اس کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے کہ ساری دنیا واقف ہے۔ اوبامانے ان کے احساسِ برتری کو بری طرح شکست ضرور دی لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لئے سیاہ فام کس جدوجہد سے گزرے، تاریخ اس کی گواہ بھی ہے اور معترف بھی۔ نو آبادیاتی عہد کے تسلّط کاروں نے ہمیشہ کولونائز کو جہاں پیٹ کی مار ماری، ان کی زمینوں پر قابض ہوئے، ان کی پیداواری قوت پر تسلّط جمایا وہیں انہیں ان کے رسم ورواج، ان کے عقائد ان کی زبان کو احساسِ کمتری

میں مبتلا کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کئے ہیں۔ایک بدترین مثال اس کی سپین کے شہر Valladolid میں منعقد ہونے والی 1550ء کی وہ کانفرنس ہے جو کیتھولک چرچ کے بینر تلے منعقد ہوئی اور جس کا موضوع تھا:

"Whether Indians should be regarded as God's creatures?"

Cleric Bartolome de las Casas کا موقف تھا کی انڈین انسان ہیں، یہ رُوح رکھتے ہیں، اوران سے دوسرے انسانوں کی جیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔لیکن اس کے برخلاف دوسرے گروپ اوراس کے سربراہ Juan de Sepulveda کے کہنا تھا کہ انڈین روح سے عاری ہیں اس لئے ان کو صرف اور صرف غلام بنا کے رکھا جاسکتا ہے۔ان میں اتنی عقل نہیں ہے کہ یہ کوئی فیصلہ خود کریں۔یہ احساسات سے عاری مخلوق ہے۔اس کو صرف کام کے لئے سدھایا جاسکتا ہے۔خدا نے چیچک اور دیگر امراض میں انہیں سزا کے طور پر مبتلا کیا ہے۔ان میں سیکھنے کی صلاحیت نہیں ہے بلکہ ان کو سدھا کے غلامی کرائی جاسکتی ہے۔ احساسات سے عاری ہونے کا ثبوت دینے کے لئے اس نے انڈینز کی تین فیملی کو سٹیج پر بلایا۔ امریکہ کی ایک معروف کالم نگار نکول پاول نے اس موضوع پر بنے ہوئے ایک اسٹیج ڈرامہ کے اس سین پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "The scene becomes excruciating when an Indian family of three, shipped over especially for the debate, is herded onto stage for truly inhumane examination. The legate has them threatened by a knife-wielding settler to see if they register fear, and taunted by a dwarfish buffoon to see if they laugh, before ruling, finally, that they do indeed have soul."

کسی انسان کی اس سے بڑی تذلیل کیا ہوسکتی ہے۔مگر یہ ذلت آمیز بحث پندہ سو پچاس میں شروع ہوکے پندرہ سو اکیاون تک چلتی رہی۔''جانور ہیں۔انسان نما کوئی جانور ہیں جن کے پاس عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔یہ وہ مخلوق ہیں جن پر خدا کا عذاب کبھی چیچک کی صورت

www.urduchannel.in

میں اور کبھی دوسری بیماریوں کی صورت میں نازل ہوتا رہتا ہے۔'' اکثر مسیحی سربراہ انہی بیانات پر متفق تھے لیکن بارٹولوم اڑا رہا کہ یہ انسان نما مخلوق جو بھی ہیں لیکن بہر حال رُوح رکھتے ہیں اور آخر کار انڈینز کے جسموں پر کئے گئے متعدد تجربات سے اس مباحثہ کے دوران ثابت ہوا کہ یہ خوف، ڈر، خوشی، غم اور ایسے ہی احساسات رکھتے ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ غرض بحث اور ردّ و قبول کی لمبی لمبی تقاریر کے بعد یہ تو قبول کر لیا گیا کہ یہ روح رکھتے ہیں لیکن اس کے بعد بھی انڈینز کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی نہ ان سے انسانوں جیسا سلوک کیا جانے لگا یہ ماننے کے بعد بھی کہ یہ بھی ذِی رُوح ہیں۔

امریکہ اور کینیڈا کے ان مقامی باشندوں اور سفید فام کے درمیان پانچ سو سال تک ٹھنی رہی۔ ان کا قتل عام ہوتا پھر امن کا معاہدہ ہوتا۔ امن کا معاہدہ کسی قتل و غارت کے بعد پھر ٹوٹ جاتا اس طرح ایک طویل مدت تک غارت گری کا سلسلہ چلتا رہا۔ مذہب اور ریاست دو ایسی طاقتیں ہیں جو بڑی ترکیب سے انسان کے ذہن کو اپنا غلام بنا لیتی ہیں۔ اس دور میں کیتھولک چرچ کا عمل دخل ریاست میں بہت زیادہ تھا اور وہ انڈینز کو انسان ماننے کو ہی تیار نہیں تھے اس لئے جہاں ان کو زنجیروں میں جکڑ کے رکھنے اور جانوروں سے بدتر سلوک کرنے میں پیش پیش تھیں یہ دو طاقتیں وہیں تعلیم یافتہ، روشن خیال اور انصاف پسند سفید فام افراد نے ان کے حق میں آواز اٹھانی شروع کی۔ اور ایک کے بعد ایک جرنلسٹوں، کالم نویسوں اور ادیبوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا جو کڑی تنقید کر رہے تھے مذہبی اور ریاستی رہنماؤں پر۔ ہم آج بھی نوم چومسکی اور مائیکل مور جیسی لاتعداد بے باک اور حق گو آوازوں کو حکومت کی غلط پالیسیوں پر کڑی نکتہ چینی کرتے دیکھتے ہیں۔

ڈونلڈ ٹرمپ کی جیت کے موقع پر امریکہ میں ایسے ہی روشن خیال افراد کی بہت بڑی تعداد نے ٹرمپ کی ایمیگرینٹس کے خلاف تقاریر اور پالیسی پر شدید احتجاج مظاہروں کی صورت میں کیا اور یہ احتجاج مہینوں جاری رہا اور ابھی تک بولڈ جرنلسٹ اور سیاسی رہنما ٹرمپ کو اپنی تنقید کی دھار پر رکھے ہوئے ہیں۔ مقامی باشندوں کے ساتھ نو آبادکاروں کے

www.urduchannel.in

بدترین سلوک پر بھی احتجاج زور پکڑتا گیا۔ نو آبادکار بھی انڈین سے عاجز آ گئے کہ یہ وہ انسان یا قبائل نہیں ہیں جو اپنی موت آپ مر جائیں گے بلکہ ان کی جڑیں کسی قدیم درخت کی مانند بہت گہری ہیں زمین میں اور جب جب انہیں کاٹا جائے گا یہ اپنی جڑوں سے پھوٹ آئیں گے تو ان کی حکمتِ عملی نے انڈینز کو انسان بنانے کا فیصلہ کیا۔ جارج واشنگٹن اور ہینری نوکس (George Washington and Henry Knox) نے اس خیال کا اظہار کیا کہ انڈینز کو سفید فام کی جون میں ڈھالا جانا ممکن ہے۔ اور انہوں نے انڈینز کی اصل کو بدلنے کے لئے ایک Civilizing plan to accomplish this six point دیا۔ اس پلان کے تحت بچوں کو ان کی فیملی سے الگ کیا جائے اور مکمّل طور پر ماں باپ سے تعلّق ختم کر دیا جائے وہ چرچ کی سرپرستی میں قائم کئے جانے والے بورڈنگ ہاؤس میں رہیں۔ جہاں ان کا نام بدل دیا جائے۔ انہیں انگریزی بولنے کی تربیت دی جائے۔ انہیں عیسائی مذہب کی تعلیمات میں زندگی گزارنا سکھایا جائے۔ اس کے علاوہ یہ طے ہوا کہ مردوں کو کھیتوں میں کام پر لگایا اور عورتوں کو گھروں میں کام کرنا سکھایا جائے۔

تھامس کنگ اپنی کتاب ''دی ان کنوینینٹ ایڈینز'' میں اس پلان کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے بہت دلچسپ جملہ تحریر کر گیا ہے:

"Oh Yeah!! teach Indians to fish, but teach them to be Christian fishers. And then you can sell them fishing gear."

یہ سطور پڑھتے ہوئے میرے لاشعور میں ویتنام، عراق اور افغانستان تھے۔ پہلے جنگ مسلّط کرو۔ شہر کو ملبہ میں بدل دو پھر اپنے ہی انجینئر اپنے اپنی مشینری اپنے مزدور شہر کی تعمیر کے لئے بھیجے جائیں اور اپنے فوجی کیمپ شہر کی صورتِ حال کو سنبھالنے کو لئے قائم کئے جائیں۔ گویا یہ ایک قدیم اور آزمودہ نسخہ ہے جس پر عمل کر کے آج بھی سفید النسل کامیاب ہیں۔ ان مقامی باشندوں کو انسان کیسے بنایا گیا اس کی تفصیل کچھ کم تکلیف دہ نہیں ہے اس حوالے معروف جرنلسٹ اور ادیب ڈگ سینڈرس اپنے ایک مضمون میں کہتا ہے کہ ''یاد رہے کہ حقیقی باشندوں کو کینیڈین الیکشن میں انیس سو ساٹھ تک ووٹ ڈالنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کی

www.urduchannel.in

قانونی حیثیت رفیوجی کی تھی کینیڈا کے شہری کی نہیں۔ وہ ریزور (وہ رہائشی علاقہ جوان حقیقی باشندوں کے لئے حکومت کی طرف سے مخصوص کر دیا گیا ہے) حکومت کی اجازت کے بغیر کہیں باہر نہیں جا سکتے تھے۔ انہیں اپنے نام سے بزنس کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ اپنی جائیداد نہیں خرید سکتے تھے۔ بنک سے مارگیج نہیں لے سکتے تھے اس پر سے ظلم یہ کہ ان کے بچے ان سے زبردستی ہمیشہ کے لئے چھین کے حکومت کی کسٹڈی میں دیئے دیئے جائیں۔ یہ ریاست اور چرچ کی مشترکہ نئی چال تھی۔''

اپنے اسی مضمون میں وہ کہتا ہے:

> Almost a third of aboriginal Canadians -" 150,000 people were raised, without access to their families, in these institutions (which were by any normal definition not educational but penal). In other words, this is not about acts of vanished generations: A very significant proportion of still-living indigenous Canadians were personal victims of these abuses; the effects of such deprivation will last many generations, and may have only begun.

ہم سمجھ سکتے ہیں کہ وہ بچے جن کو اچانک ماں باپ سے چھین کے الگ کر دیا جائے۔ ان کا نام تبدیل کر دیا جائے ان کی زبان میں انہیں بات کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اجنبی سرپرست، خوف کا ماحول، احکامات کی تعمیل نہ بجالانے کی صورت میں سخت سزائیں۔ اس کے اثرات ان بچوں کی شخصیت پر کیا ہوئے ہوں گے۔ اس تمام صورتِ حال میں مجھے صرف ایک بات بہتری کی نظر آتی ہے کہ ان بچوں نے انگریزی سیکھ لی۔ وہ زبان سیکھ لی جس میں نو آبادیاتی تسلّط کار انہیں جنگلی جانور، کہتے رہے تھے۔ جس میں وہ اعلان کرتے رہے کہ یہ قبائل اپنی موت آپ مر جائیں گے۔ وہ زبان سیکھ لی جس نے ان کے وجود کو گالی بنا دیا تھا۔ زبان اپنے احساسات کی ترسیل کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، جو صدمات، جو تذلیل، جو تنہائی جو دکھ ان بچوں نے اور ان کے اجداد نے جھیلے۔ ان کی ایک ایک تفصیل اب سوانح

حیات، فکشن، شاعری اور مضامیں کو صورت حقیقی باشندوں کی کتابیں ہمیں ان شیلف پر سجی نظر آتی ہیں کتابوں کی بڑی بڑی دکانوں پر جو انڈینز کو جانوروں کی طرح بولنے کی صلاحیت سے محروم مانتے تھے۔اب یہی انڈینز یونیورسٹیز میں پڑھا رہے ہیں۔ہمارے ٹورنٹو یونیورسٹی کی لی مارسیل جو کہ دو درجن کتابوں کی ایوریجنل رائٹر ہیں وہ ستر سال کہ ہونے کے سبب ریٹائر ہو چکی ہیں لیکن ان کا آفس ابھی تک ان کے پاس ہے۔اور کچھ عرصہ قبل ہی ان کی تازہ تخلیق"I am woman" کے نام سے آئی ہے۔ایک دو نہیں بلکہ درجنوں معروف ایوریجنل لکھاری ایوارڈ سے نوازے جا چکے ہیں۔وہ لکھ رہے ہیں اور اس بے جگری سے لکھ رہے ہیں کہ ماتھے کا پسینہ پوچھتے نہیں تھکتیں اب حکومتیں اور چرچ۔نثر ہو یا شاعری قدرت نے ان کی تخلیقی صلاحیت سے کیسا مالا مال کیا ہے اس کا اندازہ ان کی تخلیقات سے ہوتا ہے۔ پہلی جنریشن ہجرت یا تسلّط کے اثرات کو زبان نہ آنے اور اجنبی ہونے کے سبب کمزور محسوس کرتی ہے اس لئے خود پر بیتنے والے تمام تر تلخ تجربات کو چپ چاپ جھیل جاتی ہے، لیکن دوسری جنریشن برابر سے نہ صرف آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے سوال کرنے اور جواب دینے کے لائق ہو جاتی ہے بلکہ وہ اپنے حق کے لئے آواز اٹھانے اور برابر سے مکالمہ اور مطالبہ کرنے کی حیثیت میں ہوتی ہے۔

ان والدین اور بچوں کے انٹرویو اب یوٹیوب پر موجود ہیں۔جس ماں سے اس کے چھ بچے حکومت نے چھین کے اپنی تحویل میں اس طرح لے لئے کہ وہ پھر ان سے رابطہ کرنے کی اجازت سے بھی محروم ہو گئی اس کے لئے یہ کیسا سانحہ تھا میں نے اس کے انٹرویو سنا۔ وہ بچے جنہوں نے دس اور بارہ سال ان سکولوں میں بغیر اپنے ماں باپ سے ملے گزارے اور انڈینز سے انسان بننے کے عمل میں جس تشدد سے گزرے جو ویرانہ اپنے اندر سمیٹا اس کا گواہ حقیقی باشندوں کا فکشن، ان کی شاعری اور ان کے مضامین ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ سفید النسل فلم میکرز۔جرنلسٹ اور ادیبوں نے بھی ان کے احوال میں تبدیلی لانے کے لئے بعد میں بھرپور ساتھ دیا حقیقی باشندوں کا لیکن جو شعلہ سا لپکتا ہے ان کے اپنے فکشن اور شاعری

میں وہ ایک سچا اور دل سے نکلا ہوا شاہکار ہے اس لئے بہت ہی اثر انگیز ہے۔ایک نظم دیکھئے اس شاعر کی جسے سات سال کی عمر میں اس کی ماں سے جدا کر کے اپنی تحویل میں لے لیا تھا کیتھولک اسکول نے۔

Layana Marcel کی یہ نظم:

## اسکول یا عقوبت خانہ۔۔۔

ساٹھ سال کی دھندلی آنکھوں میں
وہ منظر گیلی لکڑی کی طرح
جلتے ہیں۔اور ڈراؤنے خواب
مجھے سوتے سے جگا دیتے ہیں
''ماں زمیں پر بیٹھی
ہچکیوں سے رو رہی ہے
پھر وہ اچانک اُٹھتی ہے
اور نوکیلے بوٹ والوں
کے پیروں سے لپٹ جاتی ہے
نوکیلے بوٹ والوں نے
اس کے سر پہ پہ زور کی ٹھوکر لگائیں
وہ مجھے اور میرے بھائی کو
گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے ہیں''
میری آنکھوں میں گیلی لکڑیاں جل رہی
بہت دھواں بھر گیا ہے میری بوڑھی آنکھوں میں
میں اتنے سالوں سے ہر رات

www.urduchannel.in

ایک سے ہی ڈراؤنے خواب کیوں دیکھتی ہوں؟

جیسے

بہت بڑے کمرے میں

دُور دُور تک بہت سے بستر لگے ہیں

ہر عمر کے بہت سے بچے ہیں

مگر میں تنہا ہوں۔ رو رہی ہوں

(نہ جانے میرا بھائی کہاں گیا؟)

میں بہت اکیلی ہوں

(اس کمرے میں ہر بچہ بہت اکیلا ہے)

میں کانپ رہی ہوں۔۔۔

میرے اندر تنہائی اور خوف

منجمد ہو گئے ہیں

جن بچوں سے ان کی ماں چھین لی جائے

وہ جب تک زندہ رہیں

گیلی لکڑی کی طرح تھم تھم کے جلتے ہیں

اور عمر بھر ڈراؤنے خواب دیکھتے ہیں۔

ایک اور چھوٹی سی نظم ہے

---

میں سات سال کی تھی

اپنی ماں کی پناہ گاہ

میں میری رُوح کتنی آزاد تھی

بالکل کسی ہرنی کی طرح

www.urduchannel.in

مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تمہارے رحم کے تماشے نے

جو جیل تعمیر کی

اس نے میری روح کو قتل کر دیا

اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میری پناہ گاہ چھین کے

ہمیشہ کے لئے بے گھر کر دیا مجھے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ڈیٹا جو کی یہ نظم تو بہت مشہور ہوئی ہے

میں اسکول میں سات سال کی بچی تھی

اس وقت تم نے مجھے مار مار کے

میرے الفاظ مجھ سے چھین لئے

اب میں۔۔۔۔۔۔۔

میں تمہاری طرح بولتی ہوں

تمہاری طرح تخلیق کرتی ہوں

میرے الفاظ توڑے مروڑے اور ایک دوسرے میں الجھے ہوئے

ایک گیند جیسے ہو گئے ہیں

میں تمہارے بہت طاقت ور لہجے کے سامنے

کپکپاتے ہوئے

بہت نرمی سے اپنا ہاتھ بڑھاتی ہوں

مجھے میرے لہجے میں بات کرنے دو

تا کہ میں اپنے لہجے میں

www.urduchannel.in

تمہیں۔۔۔۔۔۔۔۔

اپنے بارے میں سمجھا سکوں

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آبادکاروں کے تسلّط سے قبل انڈینز کی فکری صلاحیت کا واقعی صفر تھی؟ کیا واقعی شمالی امریکہ کے حقیقی باشندے جانوروں کی کھال لینے اور سو جانے کے علاوہ کچھ نہیں سیکھ سکتے تھے؟ کیا ان میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی؟ کیا یہ خاندان کے تصور سے ناواقف تھے؟ کیا یہ عقیدہ۔رسم ورواج تہوار کچھ نہیں رکھتے تھے؟ یقیناً یہ سوال اہم ہے۔ مجھے بھی اس سول کا سامنا تھا۔اور میں حیران رہ گئی جب تلاش کرنے پر لائبریری میں مجھے ان کے فوک گیتوں کی ایک کتاب مل گئی اور وہ گیت جو برسوں سے سینہ بہ سینہ محفوظ تھے انہیں پڑھ کے ششدر رہ گئی۔استعمارکاروں نے جن کو جانور اور جنگلی قرار دے کے ایک تماشہ لگا دیا تھا ان کا وہ کیسی گہری بصیرت رکھتے تھے۔ یہ گیت ہمارے سندھ کے 'ہو جمالو' پنجاب کے 'لٹھے دی چادر' کی طرح مختلف علاقوں کے مختلف قبائل کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ان قبائل کو ہم (کوپر سکیمو) بلیک فٹ، اوجبوا، بلڈ اور پیگن اور دیگر مختلف ناموں سے جانتے ہیں۔ یہ تمام قبائل رقص موسیقی کے دلدادہ تھے۔

لنڈا مارلو نے اپنی کتاب۔۔۔۔

"Contributions of First Nations music to Canadian culture"

میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اس موضوع پر مگر ایک چھوٹا سا اقتباس یہاں پیش ہے:

> Before European settlers came to what is now Canada, the region was occupied by a large number of First Nations, including the West Coast Salish and Haida, the centrally located Iroquois, Blackfoot and Huron, the Dene to the North, and the Innu and Mi'kmaq in the East? Indigenous communities had (and have) their own unique musical traditions. Folk songs, Chants-singing is widely popular and most use a variety of musical instruments.

یوروپین کی آمد سے قبل شمالی امریکہ مختلف النوع خالص ثقافتوں کے پنپنے کا منظر

www.urduchannel.in

پیش کرتا ہے۔ یہ مختلف النوع ثقافتیں وہ ہیں جو مختلف قبائل کی صورت میں موجود تھیں اوران سب کے نام سے ہی ان کے گیت پہچانے جاتے تھے۔ہمیں اس مغالطہ میں نہیں رہنا چاہیے کہ یہ اوّلین لوگ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ بلکہ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ ابتدائی اقوام جغرافیائی مقامات کے اعتبار سے حیاتیاتی طور پر مختلف تھیں۔مثال کے طور پر شمال مغربی میدانی علاقوں کے بلیک فٹ، بلڈ اور بیگن (Blackfoot), (Blood, Pegin) میں –A خون کا تناسب سب سے زیادہ تھا جبکہ بی B قسم کے خون والے برازیل کے کرایا "Caraya" علاقہ کے مقامی افراد میں زیادہ تناسب میں تھے۔

اولین اقوام کو ہم ابتدا میں اسکیموز کے نام سے جانتے تھے لیکن اب ان کے لئے Inuits or Indians کی شناخت مقرر ہے۔انڈینز کے کے پوسٹ کولونیل ادب کے مطالعہ سے پہلے ان میں پوشیدہ فکری صلاحیتوں کی جھلک پیش کرنا ضروری ہے تا کہ نو آبادیاتی تسلّط کاروں کے بیانیہ اوراعلانیہ میں خرد برد کا کا اندازہ اورحساب لگایا جاسکے۔ان مقامی باشندوں کے پاس بولنے کی زبان تھی غاروں میں ملنے والے قدیم ادب کی طرح ان کے پاس کوئی تحریری ادب نہیں تھا لیکن ان کی روایات میں رقص کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ رقص عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔رقص کے لئے گیت چاہیے،موسیقی چاہیے لہٰذا لکڑی پہ منڈھی ہوئی کھال کے ڈرم اور سینگ سے بنائے ہوئے آلات موسیقی موجود تھے اور یہ رقص وسرود کی محفلیں قبل نو آبادیات اور قبل از تاریخ برفیلی زمینوں اور فضاؤں میں بھی تقریباً ہر رات منعقد کی جاتی تھیں۔ یہ گیت جو سینہ بہ سینہ محفوظ تھے اسے انگریزی زبان پر قدرت حاصل کرنے کے بعد دوسری جنریشن نے اپنے بزرگوں سے سن کے کتابوں میں محفوظ کر دیا۔گوان لوگوں میں پڑھنے لکھنے کی صلاحیت نہیں تھی مگر وہ زبان جو وہ اس وقت بولتے تھے۔اس میں اپنے احساسات بیان کرنے پر پوری طرح قادر تھے۔ یہ چند نظمیں قبائل کے نام سے اپنی شناخت رکھتی ہیں۔ایسی ہی کچھ نظموں کو ان کی نوجوان نسل کے بینڈ نے گا کے بہت نام کمایا ہے۔ نظموں کا ترجمہ کرتے وقت میں نے دوادوار کی شاعری کا ترجمہ پیش کرنا مناسب سمجھا ایک

www.urduchannel.in

وہ جو سینہ بہ سینہ محفوظ تھی۔ دوسری نو آبادیاتی اور پس نو آبادیات۔ چند نظمیں وہ جو ابھی تسلّط کاروں کی بالا دستی سے محفوظ تھیں اور ہر شب دھمال ڈالتی تھی جانوروں کی روح کی حضور نذرانے گزارنے کے لئے۔

مختلف احساسات اور مختلف تجربات کے بھرپور اظہار کی حامل نظموں کو میں نے اپنے الفاظ میں ڈھالا ہے۔ شاعری کے لفظی تراجم ایسے ایسے نظر سے گزرے ہیں میری کہ بہت ہی خوبصورت اشعار کا ستیاناس ہوتے دیکھا ہے۔ فیض کی غزل ''گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے'' کا انگریزی ترجمہ دیکھ کے یقیناً قاری بے اختیار قہقہہ لگانے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس لئے میں شاعری کے لفظی ترجمہ کی قائل نہیں ہوں۔

میں شاعری کی روح کو مرنے نہیں دینا چاہتی سو مجھے محنت تو بہت کرنی پڑی لیکن لفظی ترجمہ کرنے کے بجائے اس کی روح کو اپنے الفاظ کا پیرہن دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ نیٹو شاعرات کی شاعری پر بات ہو اور ان کے تراجم پیش کروں میں ان آئس ایج کے انسانوں کی وہ شاعری پیش کرنا چاہوں گی جو گروہ کی صورت میں گائی جاتی تھی۔ شاعری ان کے بقول سانس لینے کی طرح ہے اور عورت مرد ہر موقع پر شاعری کرتے تھے یہ اور بات کہ وہ ان کی اپنی زبان میں ہوتی اور مستقل دہرانے سے سب کو یاد رہ جاتی تھی۔ اس فوک شاعری کے پیش کرنے کا مقصد یہ دکھانا بھی مقصود ہے کہ ''ان کی ذہنی صلاحیت جانوروں کی طرح محدود'' نہیں تھی۔ تخلیقِ شعر میں لطافت و کثافت کا تناسب و معیار کیا ہونا چاہیے۔ غالبؔ اس کا تعین یوں کر گئے ہیں:

سخنِ ما ، ز لطافت نہ پزیرد تحریر
نہ شود گرد نمایاں زرم تو سن ما

(میرے کلام کے لطافت کی انتہا یہ ہے کہ اسے ضبطِ تحریر میں لانا دشوار ہے۔ اور میرے اشہپ خیال کی روش کا کمال یہ ہے کہ وہ فضا کو گرد آلود نہیں کرتی)

www.urduchannel.in

غالب کا یہ شعر اچانک ان نظموں سے گزرتے ہوئے مجھے کیوں یاد آیا کہہ نہیں سکتی۔ شاید ان نظموں کی لطافت۔ ان کی فلسفیانہ فکر، ہر طرح کے انسانی جذبات واحساست کے اظہار کی بے پناہ صلاحیت سب نے مل کے جو فضا بناتی ہے اس کا اثر دل پہ ہے، جہاں زمین ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہوں۔ ہواؤں کا لہجہ تیز دھار والے چاقو کی طرح بدن کا کاٹنے والا ہو جن کی بھوک کئی کئی دن کسی جانور کے شکار کے انتظار کی آگ میں جلتی ہوں اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے سخت مشقّت کرنا پڑتی ہو وہاں آباد انسان تخلیق کے جوہر سے ایسی مالا مال ہوگی ان کے گیت پڑھ کے حیرانی ہوتی ہے۔ میں تو کبھی قطب شمالی کے بارے میں سوچوں بھی تو خون رگوں میں منجمد ہونے لگتا ہے اور ان گیتوں کو پڑھنے سے پہلے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ برف کے گھروں میں رہنے والے انتہائی بیزار زندگی گزارتے ہوں گے۔ لیکن ان گیتوں کو پڑھ کے اندازہ ہوا کہ یہ فطرت کے حسن کے متوالے قدرتی نظاروں سے کیسے مسحور تھے۔ انہیں اپنے احساسات کے بیان پر نہ صرف کمال حاصل ہے بلکہ حیران کُن گہرائی بھی ہے اور فلسفیانہ فکر بھی۔

ایک بہت چھوٹی سی نظم ہے:

''میری زبان
شاعری کے لعاب سے تر ہے
اگر یہ لعابِ دہن نہ ہو
تو میری زبان خشک ہو کے چٹخ جائے''

ایک نظم دیکھئے کس قدر بلیغ ہے اپنی فکر میں

''رُوح'' بلیک فٹ

میری ساتھی
میرے بکھرے دانے چن کے
کتنے پیار سے

www.urduchannel.in

دانہ دانہ پھر سے
مجھے پروتی ہے
میرے بدن کے دُکھ سکھ سارے
اپنے اُوپر ڈھوتی ہے
آنسو میرے ہوتے ہیں
لیکن میری ساتھی
میرے سارے آنسو یہ روتی ہے

Black Foot کے ہی ایک اور گیت میں ایک خیال صرف چند سطور میں کس قدر خوبصورتی سے بیان کیا ہے:

## مرا صنم ہے کہ یہ خدا ہے

Black Foot
یہ کیسی آہٹ ہے
کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے
کہ جیسے گہری خموشیوں سے نکل کے کوئی
دبے دبے پاؤں
میری خلوت میں چل رہا ہے
میرا صنم ہے کہ
یہ خدا ہے؟

ایک دو سطور کی نظم پڑھ کے تو ایسا لگا جیسے موجودہ دور کے ہی کسی شاعر کی نظم ہو۔ لیکن انسان خواہ کسی بھی دور کا ہو ایسا لگتا ہے کہ بے یقینی اور عدم تحفّظ کے احساس نے ہمیشہ اسے پریشان رکھا۔

www.urduchannel.in

اوجبوا قبیلہ کی ایک تین سطری نظم دیکھئے:

افسوس

''اس کائنات میں
اب کوئی جگہ محفوظ نہیں
سوائے تیرے آسمان کے''

بلیک فٹ کی ایک اور نہایت مختصر مگر کمال کی نظم ہے:

''مالک!!
کیا تجھے اس بات سے
کبھی اُکتاہٹ نہیں ہوتی
کہ تیرے اور ہمارے درمیاں
ہمیشہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
بادلوں کی دُھند چھائی رہتی ہے''

(Arts Action Catalog, 1077)

شمالی امریکہ کے مقامی باشندوں کی تخلیقات کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے افسانے ہوں یا مضامین، شاعری ہو یا تقاریر۔ یہ سب وہ دہکتے ہوئے انگارے ہیں جن کی لپٹوں پر سالہا سال ان کے اجداد کو بھونا گیا۔ ان کی روح ابھی تک طنز و تضحیک کی ان کانٹوں بھری جھاڑیوں سے لہولہان ہے جس میں ان کے اجداد کو لوہے کی زنجیروں سے جکڑ کے گھسیٹا گیا۔ شمالی امریکہ کے حقیقی باشندوں یعنی ایبوریجنل کا ادب حقیقی آزادی کی تلاش کا ادب ہے۔ یہ ادب استحصال کرنے والی طاقتوں کے لئے تازیانہ بھی اور آئینہ بھی۔ ان نظموں کو پڑھتے ہوئے میں جب ایک نظم ''اس لڑکی کا گیت جو پتھر میں تبدیل ہوگئی'' تک پہنچی تو اس کی تہہ دار معنویت نے مجھے حیران کر دیا کہ جس نسائی شعور کے ارتقا کو ہم دوسری جنگِ عظیم کے بعد پوسٹ ماڈرن تحریک کے تحت جانچتے ہیں وہ تو اس سے کئی سو سال پہلے

www.urduchannel.in

ان نظموں میں اپنے تمام تر واضع نقوش کے ساتھ موجود ہے۔نسائی شعور نے برس ہا برس کی شدید جدوجہد کے بعد اپنی آواز، اپنی سوچ، اپنی فکر اور اپنے اظہار کے دائروں کا پھیلاؤ اس قدر وسیع اور لائق توجہ بنالیا ہے کہ مردانی بیٹھکوں کا تسلّط اس ارتقا کا نہ صرف اعتراف بلکہ ان کا تفصیلی جائزہ پیش کرنے پر مجبور ہیں۔لیکن یہ نظم۔۔۔اس دور کی نظم ہے جس کے بارے میں ہم اگر کچھ جانتے ہیں تو یہ کہ انسان کے پاس کام چلانے کے لیے صرف چند ٹوٹے پھوٹے نئے نئے ایجاد کردہ الفاظ تھے، پھر اس دور کی عورت؟

کیا وہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ادراک بھی رکھتی تھی؟ یقیناً رکھتی ہوگی، ظلم، زیادتی، خوشی، غم، بھوک، پیاس، خوف وغیرہ وغیرہ وہ احساسات ہیں جنہیں سیکھنے کے لئے کسی کالج یا یونیورسٹی میں نہیں جانا پڑتا یہ ایک جبلی شعور ہے اکتسابی نہیں۔اس نظم کو اور دیگر نظموں کو پڑھ کے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ''جنگلی جانور صرف سدھائے جانے کے لائق تھے۔'' یا یہ کہ نسل وہ ادب تخلیق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی جسے ترقی یافتہ اقوام کے ادب کے مقابل نہ رکھا جاسکے۔

اس لڑکی کا گیت جو پتھر میں تبدیل ہوگئی۔

**اوجبوا**

کیا کس کے مردو
تمہاری سزا سے
میں پتھر ہوئی ہوں
میں پتھر ہوں لیکن
زمیں میں قدم گاڑے
کسی کھڑی ہوں
کیا کس کے مردو

www.urduchannel.in

ادھر آؤ دیکھو
تمہارے جونیزے
مرے جسم کو چھید کے
مجھ پہ ہنستے رہے ہیں
تمہارے وہ ہنٹر
مرے جسم پر جو
برستے رہے ہیں
مرے تن کے پتھر سے
اب ڈر رہے ہیں
یہ میں ہوں!
یہ میں ہوں!
قدم گاڑ کے برف میں
جو کھڑی ہوں
میں اب تا ابد ہوں
ادھر آؤ دیکھو
میں اب تا ابد ہوں''

یہ ''میں'' کا ادراک۔۔۔۔۔ایک لائن کی دو دھاری تلوار

''میں۔۔۔اب تا ابد ہوں''

نے مجھے بہت حیران کیا۔اور بار بار میری سوچ میں ایک ہی سوال کی بازگشت تھی۔کیا ان یوالٹس عورتوں کا نسائی شعور ہزار ہا سال پہلے بھی اظہار کی اس بے پناہ قوت سے آشنا تھا اور اس پر قادر تھا؟

اس کا جواب مجھے Allotook Ipellie کے ایک مضمون میں ملا۔۔۔الوٹک موجودہ

www.urduchannel.in

دور کا ایک معروف شاعر، ادیب اور کالم نگار ہے Inuit ہے۔اس نے اپنے ایک مضمون میں ان یوائٹس کے طرزِ زندگی اور ان کی فکری وسعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ان یوائٹس (اسکیمو، انڈین اور ان یوائٹس ایک ہی ہیں موجودہ دور میں انڈین خود کو ان یوائٹس یا ایبوریجنل کہلانا پسند کرتے ہیں) کے طرزِ زندگی میں گیتوں کی اہمیت اس قدر ہے کہ ہر موقع پر اور ہر وقت گیت گائے جاتے ہیں اور قدیم دور سے اب تک یہ رواج بدستور قائم ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ ایبوریجنل کا تقریباً ہر فرد شاعر ہوتا ہے اور وہ ہر موقع کے لئے خواہ مرد ہو یا عورت شاعری کرنے یا گیت کہنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ گیت ہر طرح کے جذبات اور احساسات کی ترسیل کرنے پر قادر ہیں۔''

الوٹک نے سچ کہا ''ہر طرح کے جذبات اور احساسات کی ترسیل کرنے پر قادر ہیں۔ان قبل از تاریخ کی عورت نے اگر پتھر کا بنا دیئے جانے کا دکھ جھیلا تو صدیوں بعد کی عورت بھی زندہ جلا دی گئی کبھی چتا پر تو کبھی جادوگرنی کہہ کے۔''

یہ سلسلہ دراز ہوا تو ہمارے عصر میں ہمارے آج میں بھی جوں کا توں موجود ہے۔ عورت کی جسمانی کمزوری، معاشی دست نگری اسے ہر دور میں پتھر میں تبدیل کرتی رہی ہے۔ یہ ایک جوان لڑکی کا گیت تھا جو ابھی پڑھا آپ نے اب ایک بوڑھی عورت گیت دیکھئے۔ وفا، محبّت، ایثار، قربانی عورت کا شیوہ اور اس کی سرشت ہے۔

ہر دور کا ادب اپنے عصر کا ترجمان ہوتا ہے۔شمالی امریکہ کے حقیقی باشندوں کا ادب بھی اپنے تمام تر مذہبی، معاشرتی، سیاسی منظر نامہ کا ایک دستاویز ہے۔قبل از نو آبادیات یہ انسان کیا سوچتے تھے؟ کیسے زندگی کرتے تھے؟ ان کی معاشرتی روایات کیا تھیں؟ ان کی شاعری سب کا ثبوت ہے۔ایک بہت دلگیر کرنے والی بوڑھی عورت کی آخری عمر کا وہ دکھ جو اس آئس ایج میں جھیلا اسے بعد میں مشہور ایبوریجنل شاعر جان ہاگ نے نظم کی صورت میں پیش کیا یہ دراصل گیت سے ہی ماخوذ ہے۔

www.urduchannel.in

## میں ماں ہوں

مقدر میں جو میرے وقت تھا
سب خرچ کر آئی
میں سب رشتے برت آئی
وہ میری روح کے رشتے
ضرورت کے تقاضوں کے وہ رشتے
بھوک میں بھونے ہوئے
دن رات کی محنت کے رشتے
کسی بے نام رشتہ کی
وہ لمبی اور ٹھنڈی، گہری راتیں
عشق کے پہلو سے
میرے تن میں جو
سورج کے جیسے گرم اُجالے
سجاتی تھیں
وہ سب یادیں
وہ سب لمحے
بدن کی بوڑھی گٹھڑی میں سمیٹے
دور گھر سے
سرد اور ٹھنڈی زمیں پر
سر جھکائے بے اماں ہوں
مرے ماحول اور میرے رواجوں کا یہ کہنا ہے

www.urduchannel.in

کہ سب رشتوں کی ہمراہی میں
جینے کے لئے
سینے کے مرکز میں
دہکتا گرم لوہا چاہیے
بوڑھے بدن میں، جیسی میں اب ہوں
(بہت سی بھربھری ہڈی کا ڈھانچہ)
وہ جو سینے میں دہکتی ہمتوں کی
آگ والی دھوکنی کو
دھوکنے لائق نہیں رہتے
انہیں چپ چاپ گھر کو چھوڑ کے
اپنے لئے کوئی ٹھکانہ ڈھونڈنا ہوگا
رواجوں کا مرے فرمان ہے یہ
سو گھر سے دور
میں ٹھنڈی زمیں پر منجمد ہوں
یہ فر کا کوٹ
یہ کمبل، یہ میرے بوٹ
حاصل ہیں یہ میری زندگی کا
بس یہی میرا اثاثہ ہیں
میں خود کو گرم رکھنے کے لئے
رشتوں کے بارے میں
جو میں نے گیت گائے تھے
مسلسل گنگنا کے

www.urduchannel.in

اپنے سینے میں اترتی برف کو
پگھلا رہی ہوں
مسلسل گنگنا کے خود کو میں بہلا رہی ہوں

مرے وارث
ادھر سے گر کبھی گزرے
تو جو کچھ بچ رہیں گی بھیڑیوں سے
ہڈیاں میری
یہ میرا کوٹ فر کا، بوٹ میرے۔ میرے موزے

وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
تبرک جان کے لے جائیں گے ہمراہ اپنے
اور میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
ان کی حفاظت کے لئے
خیموں پہ ان کے
روح کا اپنی
بہت مضبوط اک خیمہ لگا دوں گی
کہ میں۔۔۔۔۔اک ماں ہوں
یہ دستور میرا ہے

.....
مگر نہیں ہیں
بلیک فٹ

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
سفید نازک پروں کے جیسی

www.urduchannel.in

یہ برف والی زمین
پیروں تلے ہے میرے
اک عمر سے اس پہ چل رہا ہوں
مگر مجھے ایسا لگ رہا ہے
زمین پیروں تلے نہیں ہے
یہ گنگنا تا حسین دریا
یہ میرے مشکیزے
اک زمانے سے بھر رہا ہے
مگر میں پیاسا ہوں
پیاس سے جسم جل رہا ہے
حسین و نازک
مری منگیتر
میں اس سے ملتا ہوں روز
لیکن!!
کہ جیسے وہ ہے!
مگر نہیں ہے!

یہ نظم بالکل انہی احساسات کی ترسیل کرتی ہے میں نے صرف اپنے الفاظ کا لباس دیا ہے۔ایک کے بعد ایک نظم پڑھتی گئی اور ان کی فکری بصیرت پر حیران ہوتی گئی۔وہ فکری بصیرت جوان کے ظاہری حلیہ اور احوال کے سبب یوروپین تسلّط کاروں کو ''جنگلی جانور دکھائی دی'' یہ وہ فکری بصیرت ہے جس نے اپنے پوسٹ کولونیل ڈسکورس میں اپنا لوہا منوالیا ہے۔یہ ذات و کائنات کے رشتوں کے رازداں، زندگی وفن کے رمز آشنا، مسائل حیات سے حریفانہ آنکھ ملانے کا سلیقہ رکھنے والے تب بھی شاعری کرتے تھے جب کھال سے اپنا جسم ڈھانک کے

www.urduchannel.in

برف کی زمین پر شکار کی تلاش میں آوارہ وسرگرداں پھرا کرتے اور یوروپین تسلّط کاروں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے تب بھی ہر حلقہ زنجیر میں زبان رکھنے کا ہنر جانتے تھے۔ اپنے زبانی گیتوں کے حوالے سے بھی اور پوسٹ کولونیل ڈسکورس کے حوالے سے بھی یہ اپنے اندر ہر وہ صلاحیت رکھنے والے ذہین اور مضبوط انسان ہیں جن کی تخلیقات ترقی یافتہ اقوام کے ادب کے مدِمقابل پورے اعتماد سے رکھی جاسکتی ہے۔

اور پنگا لک کی یہ نظم میرے بیان کی تائید کرے گی Orpingalik کی یہ نظم گو مجھے گیتوں کے ساتھ ملی مگر میرا خیال ہے یہ پس نو آبادیات کی شاہکار تخلیق ہے۔ جتنی نظمیں فوک ہیں ان میں نئی دُنیا کے معاملات کا بیان نہیں ملتا لیکن اگر گیتوں میں شامل ہے تو شاید یہ خیال اور گیتوں میں موجود ہو اور اس میں کچھ ردو بدل کی گئی ہو۔ جو بھی ہو لیکن دنیا کے تمام شاعروں کے احساسات کی بہت بھرپور اور بہت حسین ترجمانی ہے:

## میرے گیت

میرے گیت میری سانسیں ہیں
جیسے مجھے زندہ رہنے کے لئے
ہر وقت سانس لینے کی ضرورت ہے
ایسے ہی زندہ رہنے کے لئے
ہر وقت گیت لکھنا پڑتا ہے
یہ مجھے اندر سے طاقت ور بناتے ہیں
گیت وہ خیالات ہیں
جو سانسوں کو ترتیب بخشتے ہیں
انسان عظیم طاقتوں سے متاثر ہوتا ہے
اور آج کے دور میں

www.urduchannel.in

صرف جذبات کو بھڑکانے والی
بازاری اور بے وقعت شاعری
اس کے لئے کافی نہیں
موسموں کی ذراسی بے توجہی
اسے رنجیدہ کر دیتی ہے
اور وہ محسوس کرتا ہے
جیسے برف کی مانند پگھل رہا ہے
اور چھوٹا ہوتا جا رہا ہے
اسے لگتا ہے اس کے الفاظ
اس کے ہاتھوں میں
برف کی طرح پگھلے جا رہے ہیں
لیکن یہ تو صرف موسم کے اثرات ہوتے ہیں
الفاظ کبھی نہیں پگھلتے
وہ ہمارے اندر محفوظ رہتے ہیں
اور جب چاہتے ہیں کہ
اپنے حسن سے
دنیا کی نگاہوں کو خیرہ کریں
تب ماہتاب کی طرح
ہماری سوچوں میں
آپ ہی آپ جگمگانے لگتے ہیں
اور تب ہم ایک گیت لکھتے ہیں
اور اپنے لفظوں کی آگ کے گرد

www.urduchannel.in

دیوانہ وار رقص کرتے ہیں

کچھ اور ایسے ہی گیت اگلے اوراق میں موجود ہیں جو ان اوّلین باشندوں کی اس ذہانت کا ثبوت ہیں جس کو اپنی تخلیقی صلاحیت کے اظہار کا پوری طرح موقع نہیں ملا تھا۔۔۔ ہم نے قدیم ترین تہذیب سومیر اور اکاد کے اس ادب کا مطالعہ کیا ہے جو غاروں کی کھدائی میں مٹی کی تختیوں پر یا غاروں کی دیواروں پر لکھا ہوا ملا اور ان نظموں سے ایک بھرپور معاشرے کا ہی اندازہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی مذہبی اور معاشرتی رسوم کا بھی پتہ چلتا ہے۔قدیم النسل انسانوں کے ادب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انساں خواہ پتھر اور غاروں کے دور کا ہو یا آئس ایج کا۔اس کو سوچنے والا ذہن میسر تھا۔ یوروپین تسلّط کاروں نے سٹیج پر شمالی امریکہ کے قدیم النسل لوگوں کا تماشہ لگا کے ثابت کرنا چاہا کہ یہ غم ،غصہ،خوشی جیسے فطری احساسات بھی نہیں رکھتے لیکن ان کا سینہ بہ سینہ چلنے والا گیتوں کا سرمایہ ثابت کرتا ہے کہ یہ ایک نہ صرف ہر طرح کے احساسات رکھتے تھے بلکہ ان کے بیان پر بھی قادر تھے۔ڈھائی سو سال تک نو آبادکاروں کے وحشیانہ برتاؤ پر انہوں نے اپنے نہ حواس کھوئے نہ ہی اپنی روایات کو مرنے دیا۔ بلکہ اب شمالی امریکہ کے ادب میں اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود ہی نہیں بلکہ اپنی ادبی حیثیت اور قامت منوا بھی چکے ہیں۔

یہ سوال یقیناً اہم ہے کہ اس پورے منظر نامے میں قدیم النسل عورت کہاں ہے؟ قبل نو آبادیات اور بعد از نو آبادیات ان کا اپنے معاشرے اور ادب میں کیا کردار رہا۔ آبادکاری کی تاریخ اور قدیم النسل خواتین پر اس کے اثرات کا ایک مختصر جائزہ بات آگے بڑھانے سے پہلے۔

قدیم النسل خواتین کا اپنے معاشرے میں کردار قبل از نو آبادیات اور ان کی حالتِ زار بعد از نو آبادیات۔

The Ronan Robe Series by Jaune Quick-See-Smith میں مندرجہ بالا موضوع پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا

www.urduchannel.in

ہے کہ یوروپین نو آبادیات اور کیپلسٹ اکنامک سسٹم سے پہلے قدیم النسل خواتین اپنے معاشرے میں بہت اہم مقام رکھتی تھیں۔ یوروپین معاشرے میں مرد کو عورت پر فوقیت حاصل تھی۔لیکن انڈینز کے معاشرے اور تہذیب میں عورت گھر کے سربراہ کی حیثیت رکھتی تھی وہ معاشی طور پر خود مختار اور معاشرے میں فعال تھیں۔گھر کی نوجوان عورتیں شکار سے لائے ہوئے گوشت کی تیاری سے لے کر اس کی تقسیم تک کی ذمہ داری سنبھالتیں۔کچھ اوّلین اقوام میں وہ کل وقتی کھتی باڑی کرتی تھیں اور نہ صرف یہ کہ چھوٹے شکار کرتیں بلکہ خاندان کے افراد کے لئے کھال سے جوتے اور لباس بھی بناتی تھی جس کے لئے کھال کو دانتوں سے گھنٹوں چبا چبا کے کنارے پتلے کرتیں تا کہ انہیں سیا جا سکے۔ ہاتھی، ہرن اور دوسرے جانوروں کی کھال کو گوشت سے الگ کرنا اسے سکھانا اس سے لباس بنانا سب کچھ ان کے سپرد تھا۔اس کے علاوہ ماہی گیری کے پیشے میں بھی ان کا عمل دخل تھا اور لکڑی کے نیزے سے برف توڑ کے مچھلی پکڑنے میں بھی مہارت رکھتی تھیں۔گویا معاشی ضروریات اور جسمانی مشقّت دونوں میں برابر کی شریک تھیں۔گھر کی سربراہ بزرگ خواتین ہوا کرتی تھیں۔ان کے ذمہ بچوں کی تربیت تھی، گھر اور قبیلے کے اہم فیصلے ان کے ہوتے جس پر عمل کیا جاتا۔اور انہیں مرتے دم تک عزت واحترام سے ایک اہم مقام میسر رہتا۔انڈینز کے ایک دو نہیں بلکہ بہت سے قبائل تھے ہر قبیلے کا اپنا گیت اپنے رسم ورواج ہوتے تھے۔نظم ''میں ماں ہوں'' بڑھاپے کی دربدری کا ایک الگ نقشہ پیش کرتی ہے شاید کسی قبیلے میں بوڑھی عورتوں کو ناکارہ سمجھ کے انہیں گھر بدر کر دیا جاتا ہے لیکن یہ شواہد نہیں ملتے کہ بزرگوں کو اپنے اپنے خاندان اور قبیلے میں عزت اور اہمیت میسر نہیں تھی۔ بلکہ موجودہ دور کے چند شعرا اور اور اکثر شاعرات کے یہاں دادی کا ذکر بڑی محبّت سے کیا گیا ہے۔

ویمن اینڈ ریسورسسز ڈویلپمنٹ کا یہ اقتباس تفصیل سے نو آبادیاتی تسلّط سے پہلے کی قدیم النسل عورت کے معاشرے میں کردار کی تصویر پیش کرتا ہے:

"indigenous women leaders Many First Nations were

matrilineal, meaning that wealth, power, and inheritance were passed to new generations through the mother. Mothers were honoured and respected for the role they played in creating a thriving culture. They were respected as leaders because they took responsibility for caring for others. In many Indigenous societies, older women-sometimes called clan mothers-were part of women's councils or were head women of their extended families. In these roles, they made decisions that set the direction for all of their people. In cases where there were male chiefs, women often chose the chief and were able to take his power away. In many pre-contact cultures, Indigenous women could decide on war, distribute wealth in the community, and decide who was allowed to be a member of the nation."

گویا اس قدیم معاشرے میں مادرسری نظام رائج تھا۔ ان تمام تفصیلات کے ساتھ ہی اس کا ثبوت ایک نظم بھی ہے جو نوآبادیاتی دور کی ہے جس میں مردوں کی سربراہ کی حیثیت ایک عورت ہے جس سے پریشان حال مرد پوچھ رہے ہیں کہ تمام صورت حال سے کیسے نمٹا جائے۔ نظم میں عورت نے جو جواب دیا ہے وہ اسی تجربہ کار ذہانت کا مظاہرہ ہے جو ہماری غیر تعلیم یافتہ نانی دادی کے پاس تھی۔ کیسی ماہرِ نفسیات ہوتی تھیں وہ اور کس طرح پورے خاندان کو اپنی تدبیر سے جوڑ کے رکھتی تھیں اور بروقت غلط فیصلے سے بچائے لیتی تھیں۔ یہ نظم بھی ایسے ہی ذہانت کے فیصلے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ نظم اوجبوا قبیلے کے نام سے منسوب ایک نمائندہ نظم ہے:

خواہرِ عظیم اب تو ہی بتا کہ کیا کریں؟

خواہرِ عظیم!!
اب تو ہی بتا

www.urduchannel.in

تُو ہی بتا کہ کیا کریں
ہم اپنی اپنی فطرتوں کو بھیڑیوں کی فطرتوں میں ڈھال دیں؟
کڑکتے اور گرجتے بادلوں میں خود کو ڈھال لیں؟
اور اپنے آپ میں تڑپتی بجلیوں سے
ان کے جسم کو جلا کے
راکھ سب
فضاؤں میں اُچھال دیں؟
نہیں۔۔۔خدا کے واسطے
میری سُنو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
تم اپنے دشمنوں کی سب کثافتوں کو
اس زمیں پہ چھوڑ کے
اُونچے، اُونچے آسمان میں اُڑو
بدن میں اپنے۔۔۔
ان تڑپتی بجلیوں کو
روشنی میں ڈھال لو
یہ بجلیاں، یہ روشنی
یہی تمہارے تیر ہیں
یہی تمہاری ڈھال ہیں
اُڑان لو!
تمہارے سارے دشمنوں کے واسطے
یہی بس ایک جال ہے
تمہارے بس میں اور کچھ نہیں، مگر

www.urduchannel.in

بس اک یہی کمال ہے۔

نو آبادیات کے عمل نے قدیم النسل خواتین کو بہت متاثر کیا۔ قدیم النسل لوگوں کی زمین پر اپنا حق قائم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ان عورتوں کو ہر طرح سے اپنا غلام بنایا جائے ایک قدیم محاورہ ہے کہ ''کسی قوم کو اس وقت تک فتح نہیں کیا جا سکتا جب تک وہاں کی عورتیں شکست تسلیم نہ کر لیں۔''

یورپین آبادکار عورتوں کی حیثیت کے حوالے سے اپنے عقائد اور قوانین رکھتے تھے اور وہ قوانین چرچ کے وضع کردہ تھے۔ چرچ کیا ور مسیحی پیشواؤں کو حکومتی فیصلوں پر پورا اختیارات حاصل تھا۔ عورت کی نسوانیت یا حقیقی گھریلو نسوانیت کا یورپی تصور عورتوں کے گھریلو پن کے گرد گھومتا تھا۔ یوروپینز کا خیال تھا کہ عورتوں کا کام صرف اپنے آبا، شوہروں اور قریبی مرد رشتہ داروں کی ضرورتیں پوری کرنا ہے۔ ان کا فرمان تھا کہ معاشرے کی سماجی ارتقاء حالت کا انحصار اس پر ہے کہ معاشرے میں عورت کو کیسے پابند بنایا جائے۔ مذہبی اور شاہانہ مورالٹی (Victorian Morality) عورت کو اپنی دوسرے درجہ کی حیثیت پر اعتراض کرنے یا آواز اٹھانے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اسی کڑے معیار پر قدیم النسل عورتوں کو پرکھا گیا تو وہ وکٹورین مورالٹی کے بالکل الٹ نظر آئیں۔ وکٹورین مورالٹی مشنری کی ہمنوا تھی۔ اور مشنری اور نو آبادکار ایک دوسرے کے ہمنوا۔ لہٰذا کسی بھی نو آبادیاتی ایجنسی سے زیادہ مشنری یعنی مسیحی مذہبی رہنماؤں نے قدیم النسل عورتوں کا استحصال کیا۔ وہ انہیں غلیظ۔ بدشکل، بداطوار کہہ کے مخاطب کرتے۔

> Colonizers have long tried to crush the spirit of the Indian peoples and blunt their will to resist colonization. One of the most devastating weapons of conquest has been sexual violence. In the eyes of colonizers, Indian bodies are inherently "dirty." White Californians of the 1860s called Native people "the dirtiest lot of human beings on earth."

www.urduchannel.in

(ان سائیٹ انٹرنیشنل)

مسیحی مشنری اور آبادکار کے بیان کے مطابق:

"In the colonial worldview, only "clean" and "pure" bodies deserve to "be protected from violence. Violence done to "dirty" or "impure" bodies simply does not count. For example, prostitutes are seldom believed when they are raped because the dominant society considers the prostitute's body violable at all times. Because Indian bodies are also seen as "dirty," they too are considered "rapable." The practice of mutilating Indian bodies, both living and dead, makes it clear that colonizers do not think Indian people deserve bodily integrity".

ان یواٹس یا انڈینز پر آبادکاروں کے وحشت ناک مظالم کی داستان بہت طویل ہے۔مگر عورتوں پر تشدد کی داستان اس سے بھی زیادہ وحشت ناک ہے۔ایک ایبوریجنل فکشن رائٹر اور کالم نگار نیومی ویلزے عورتوں پر جنسی زیادتی کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہتی ہے:

"Although Native men have also been scarred by abuse, Native women have often been the primary focus of sexual violence because of their capacity to give birth. Control over reproduction is essential in destroying a people; if the women of a nation are not disproportionately killed, the nation's population can always rebound.This is why colonizers such as Andrew Jackson recommended that, after massacres, troops complete the extermination by systematically killing Indian women and children. Similarly, Methodist minister Colonel John Chivington's policy was to "kill and scalp all little and big" because "nits make lice."

آبادکاروں کے ایک اہم فرد اینڈریو جیکس نے آٹھ سو انڈین،عورتوں اور بچوں کا

www.urduchannel.in

قتل سپروائز کیا اوراس کے حکم سے مردہ جسموں کی ناک کاٹ دی گئی جس کا مقصد ان عورتوں کی تضحیک تھا۔کیسی عجیب بات ہے کہ عورت کی ناک کاٹ کے اس کو ذلیل کرنے کی روایت دنیا کی ہر قوم میں ملتی ہے۔عزت لوٹنے والوں کا بے عزتی کا یہ معیار بھی کمال کا ہے۔ عورتوں کو ریپ کر کے انہیں اس لئے قتل کر دیا جاتا تھا کہ وہ بچے پیدا کر کے اپنی نسل کو آگے نہ بڑھا سکیں۔اگر ہندوستان میں عورت چتا پر جلائی گئی۔اگر مسلمانوں میں لوٹ کے سامان کے ساتھ بٹی تو مسیحی مشنری نے عورت کو چڑیل اور جادوگرنی کہہ کہ زندہ جلایا اوران انڈینز عورتوں کو ریپ کرنے کی باقاعدہ اجازت اس لئے دی کہ وہ ''گندی عورتیں تھیں'' اوران گندی عورتوں کو بے عزت کرنا، جنسی زیادتی کرنا انہیں قتل کر دینا بقول ان کے خدا کے احکامات میں شامل تھا۔لہٰذا انڈینز عورتیں چند گھنٹوں میں، چند دنوں میں سیکڑوں کی تعداد میں ریپ کے بعد قتل کر دی گئیں۔ان انڈین عورتوں کی اس قدر بے حرمتی کی گئی اورانہیں اس بری طرح احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا گیا کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے اپنے وجود سے ہی شرمندہ رہنے لگیں اور خود کو انڈین کہتے ہوئے شرماتی تھیں۔ایک ایبوریجنل شاعرہ کرسٹوفر کی نظم ہے:

## تمہیں استعمال کے بعد قتل کر دینا ہی مناسب ہے

میری ماں نے بتایا
''ہم اپنے وجود سے شرمندہ تھے
سفید آدمی ہمیں دیکھ کے
نفرت سے ہمارے منہ پر تھوک دیتے
''بدشکل جنگلی عورتیں''
وہ ہم سے کسی کو بھی
کسی بھی وقت بے لباس کر سکتے تھے
ہمارے گندے جسم کو استعمال کر کے
قتل کر سکتے تھے

www.urduchannel.in

یا سڑک پر ہمیں دیکھ کے
اپنی گاڑی سے کچل سکتے تھے
یہ سب کچھ روز کا معمول تھا
مجھے اپنے آپ سے شرم آنے لگی تھی
مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں اتنی بدصورت ہوں
کہ اسی سلوک کی مستحق ہوں
میں شرم کے مارے مرجانا چاہتی تھی''
میری ماں ریپ کے بعد قتل کر دی گئی
مگر وہ میری نظموں میں
زندہ ہے
اور اب جب میں یہ نظم اس کے قاتلوں
کو سناتی ہوں
تو ان کے سر شرم سے سینوں سے جا لگتے ہیں
ماں!
تیری بے عزتی کا بدلہ
میرا قلم لے رہا ہے
میری نظمیں تیرا وقار چھین کے رہیں گی

یہ نظم بہترین مثال ہے قلم کی اس طاقت کی جس نے وقت کے دھارے کو اپنی مٹھّی میں جکڑ کے اس کا رخ موڑ دیا ہے۔ نو آبادیات نے قدیم النسل مردوں، عورتوں اور بچوں کو گو یکساں متاثر کیا لیکن عورتوں کو جسمانی اور روحانی دونوں مار ماری، انہیں قتل کرنے سے پہلے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا اور طرح طرح سے ذلیل کرنا ایک معمول تھا۔ نو آبادیاتی حکمرانوں کے پاس اپنے مفتوح کو برباد کرنے کے ہر قسم کے ذرائع ہوتے ہیں ہیں، جہاں وہ طاقت کے

www.urduchannel.in

بوتے پر انہیں اپنا غلام بناتے ہیں وہیں نفسیاتی مار بھی مارتے ہیں۔کینیڈا میں پس نو آبادیات یعنی آج بھی ہزاروں کی تعداد میں women Aboriginal غائب چکی ہیں اور مسلسل ہو رہی ہیں۔انہیں زمین کھا جاتی ہے یا آسمان کچھ پتہ نہیں چلتا۔اس غائب ہونے کے پیچھے انڈینز کو یقین ہے کہ وہی پرانی سازش ہے کہ ان کی نسل کو ختم کر دیا جائے۔کینیڈا کے ایک ایبوریجنل ادیب تھامس وائکنگ نے اپنی بائیس سالہ حاملہ کزن کے اغوا کے بعد قتل کر دیئے جانے کے حوالے سے چار سال پہلے ایک طویل مضمون میں ''نو آبادیات کے اثرات زندگی پر'' میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے اس موضوع پر کہ انڈین خواتین رائٹرز کا مزاحمتی لہجہ ان کے ادب میں تلخ کیوں ہے۔نو آبادتی حکمرانوں کا دور عورتوں کی وحشیانہ آبروریزی کی لرزہ خیز داستانیں ہیں۔ان کے پرائیویٹ پارٹ کو کاٹ کے درختوں کی شاخوں پر ٹانگ دیا جاتا۔ریپ کے بعد ان کی برہنہ لاش بیچ سڑپ پر پھینک دی جاتی۔

> "Between 1851 and 1852, California spent over one million dollars hiring soldiers to exterminate Natives. In one typical expedition, a group of invading soldiers demanded that all the young women be given to them for sexual service. When they discovered that the young women had already managed to escape, the soldiers raped the old women instead."

حکومت کی طرف سے انڈینز کو انسان بنانے کے لئے جو مدرسے قائم کئے گئے وہاں کمسن لڑکیوں کے ریپ کی بھی لرزہ خیز داستانیں موجود ہیں۔ بے شمار بچیاں حاملہ ہو جاتی تھیں اور لاکھ دہائی دینے کے باوجود کے وہ بے قصور ہیں ان کو سخت سزائیں ملتیں ذہنی، جسمانی اور روحانی تشدد برداشت کرنے والے ان انڈین نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری بلکہ اپنے قلم کو اپنے نیزے اور ڈھال دونوں میں بدل دیا۔امریکہ کینیڈا اور دیگر جن جن ممالک میں انڈینز موجود تھے وہاں عوام میں ان پر ہونے والے مظالم کے خلاف ایک تو مقامی ادیبوں، کالم نویسوں اور میڈیا میں ان کے حق میں آواز بلند ہونے لگی اور آخر کب تک نہ ہوتی

www.urduchannel.in

کہ پانچ سوسال گزر چکے تھےان مصائب کو سہتے ہوئے۔اس عرصہ میں مقامی زبان (انگریزی) میں لکھنے کی صلاحیت انڈینز کی نوجوان نسل میں پیدا ہوچکی تھی ان کی آواز کو زنجیر کرنا اب مشکل تھا۔عورتیں گوروزِ اوّل سے آسمانی اور زمینی ضابطوں کی پابند رہی ہیں۔لیکن ان کی مٹی کا نم عجب جوہر رکھتا ہے جوسو بار زمین گاڑے جانے کے باوجود پھر سے پھوٹ آتا ہے۔ ایبوریجنل عورت ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دی گئی۔۔۔اس کی روح کی دھجیاں درختوں پر ٹانگ کے اس کے وجود کا مذاق اُڑایا گیا۔۔۔اس کے خاکہ بنائے گئے جس میں جانوران کے برہنہ جسم کو بھنبھوڑ رہے ہیں اور ان کی آبروریزی کر رہے ہیں۔۔ان کے چہرے مسخ کر دئے گئے مگر اس نے اپنے وجود کو ایک بار پھر سمیٹا اور پورے جلال اور جمال کے ساتھ ڈٹ گئی آبادکاروں کے وحشی قوانین کے سامنے۔۔اس کتاب میں جو نظمیں شامل کی گئی ہیں اور جن کا دو حصوں میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ایک حصہ وہ ہے جس کا ذکر میں اوپر کر چکی ہوں یعنی سینہ بہ سینہ چلنے والی قبائل کی شاعری اور دوسری ایبوریجنل خواتین کی شاعری۔سکول نامی عقوبت خانوں نے ان عورتوں کو جو فطری طور پر جفاکش اور ہر موسم کی تمام تر شدتیں جھیل جانے کی صلاحیت رکھتی تھیں بہت انجانے میں ایسا ہتھیار دیئے گئے جس پر شاید بعد میں خود مشنری اور حکمران پچھتائے ہوں۔یہ ہتھیار زبان کا تھا۔حالانکہ ان لڑکیوں کی عزتِ نفس کو بری طرح کچلا گیا تھا لیکن ان عورتوں کے وجود میں ان کے افتخار کا ننھّا سا پودا کچلا نہیں جا سکا ان سے۔ان کے اندر کی سربلند عورت کو بے لباس کر کے قتل نہیں کر سکے اس کا بدن لیر لیر تھا مگر روح نئی پرواز کے ڈھنگ اپنا رہی تھی۔ان کا فکشن، ان کے مضامین اور ان کی شاعری پوری تاریخ ہے ان مظالم کی بھی جو انہوں نے سہے اور اس ہمت کی بھی جو ان کو وراثت میں ملی تھا۔۔۔معروف نیٹو شاعرہ جینؔ کی ایک طویل نظم نیٹو عورت کے اپنی ذات پر اعتماد اپنے بیان پر مکمّل گرفت اور اپنے عہد کی تاریخ ہے اس نظم کا ایک حصہ دیکھئے:

''عورت اپنے کام میں ماہر ہوچکی ہے

اور اس پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

www.urduchannel.in

اس کی ذات کے نقوش بھی واضع ہیں
وہ کینوس کو کاٹ کے بے جان اشکال
کو سانس لیتا دکھا دیتی ہے
اعلیٰ نسل کے بارہ سنگھوں
اور اونچے کوہان والے بیل
اس نے کینوس سے بنائے
عورت تخلیق کرتی ہے
اس بات سے بے نیاز کے
کون سے کوہان اور سینگھ
اس کے وجود کو لہولہان بھی کر سکتے ہیں
اس کی سوچ کی بیل
افق کی سمت بڑھ رہی ہے
اور قدم اپنے ماضی میں پیوست ہیں
وہ کائنات کے دائرے پر
اپنی شناخت کی دھاریاں پینٹ کر رہی ہے
اب عورت ترپال سے
ڈیزائن بنانا جانتی ہے

کبھی زمیں کا نقشہ
ترپال پر بنا کے
دنیا کو ایک ترپال میں لیٹ لیتی ہے
اور کبھی جومیٹری کی لکیروں سے

www.urduchannel.in

حدود کا تعین کرتی ہے
اس کی سوچ کی بیل
افق کی سمت بڑھ رہی ہے
اور قدم اپنے ماضی میں پیوست ہیں
وہ کائنات کے دائرے پر
اپنی شناخت کی دھاریاں پینٹ کر رہی ہے''

ایبوریجنل کے پاس جب تک آبادکار حکمرانوں کی زبان میں بات کرنے کی صلاحیت نہیں تھی تب تک وہ خاموشی سے سب کچھ سہنے پر مجبور تھے۔

لیکن قوتِ گویائی ملتے ہی انہوں نے خاص کر عورتوں نے اپنی سوانح حیات فکشن اور شاعری میں نہ صرف احتجاج کا دہری کاٹ والا لہجہ اختیار کر کے ایک ایک ظلم، زیادتی اور استحصال کو تصویر کر دیا ہے بلکہ لی مارسیل کی طرح ''میں عورت ہوں'' کا ایسا باوقار لہجہ اختیار کیا کہ دھوم مچ گئی ان ناموں کی۔

ایک اسی ہی باوقار نظم کا ایک بند ہے:

''وہ اپنے خوابوں سے
تصویریں بناتی ہیں
دھندلے ادوار کی تصویر۔
گزشتہ نسلوں کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی کو
محفوظ کر لینا ضروری ہوتا ہے
کہ گزشتہ ہی تو
ہمارے موجود کی تاریخ ہے
ہمارے خوابوں کی بنیاد
انہی گزشتہ ایام میں ہے

www.urduchannel.in

جہاں سے تمام تر تخلیق کے سوتے پھوٹتے ہیں''

قبل نو آبادیات انڈین کی سوچ، فکر، اوران کی شاعری کا نمونہ پیش کرنا اسی لئے مجھے ضروری محسوس ہوا کہ بقول خود ان کے ''محفوظ کر لینا ضروری ہوتا ہے:

''کہ گزشتہ ہی تو
ہمارے موجود کی تاریخ ہے
ہمارے خوابوں کی بنیاد
انہی گزشتہ ایام میں ہے
جہان سے تمام تر تخلیق کے سوتے پھوٹتے ہیں''

قدرت نے اس قوم کو بہت زرخیز تخلیقی ذہن عطا کیا تھا اس پر ان کی محبّتوں اور خاندان پر ایک دوسرے سے جڑ کے رہنے کی روایات کا سنہرا اور مضبوط حاشیہ۔ ایسی جفاکش محنتی اور اصول پرست قوم کو توڑ پھوڑ کے اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال لینا آسان نہیں تھا۔ یہ اپنے اندر کتنے اٹل اور پُر یقین تھے اس کی چھوٹی سی ایک مثال دیتی چلوں۔ کینیڈا کے معروف ایبوریجنل فکشن نگار اور تاریخ دان تھامس کنگ کا ناول ہے ''باڈر'' ناول میں مرکزی کردار ماں کا ہے۔ باڈر پر بچوں کی ماں سے سے سوال کیا جاتا ہے ''شہریت'' وہ جواب دیتی ہے ''بلیک فٹ'' (قبیلہ کا نام) کئی بار سوال کرنے کے بعد دوسرے آفیسر کو بلایا جاتا ہے وہ قدرے نرم لہجے میں کہتا ہے ''ہمیں کاغذی کارروائی پوری کرنے کے لئے آپ کی شہریت کا جاننا ضروری ہے۔ کیا آپ امریکن شہری ہیں؟ ''میں بلیک فٹ ہوں''

غرض ہر آفیسر نے باری باری ہر طرح سے کوشش کر لی مگر اس کا ایک ہی جواب تھا شہریت کے سوال پر ''میں بلیک فٹ ہوں'' ایسا کیوں تھا؟ دو وجوہات تھیں۔ دراصل ایبوریجنل زیا انڈینز کو 1960 تک ووٹ ڈالنے کا حق نہیں ملا تھا۔ جب آپ کسی کو شہریت ہی نہ دیں تو اس سے اس کی شہریت کا سوال کیسے کر سکتے ہیں؟ اس جواب میں اور حقارت آمیز جو سوال پوشیدہ ہے اس کی کاٹ کیسی گہری ہے۔۔۔ اور ایک عورت نے بغیر کسی خوف کے کیسا منہ

www.urduchannel.in

توڑ جواب دیا۔ دوسرے یہ کہ انڈینز نے ٹھان لیا تھا، اور ہے کہ ان کے وجود کو جس قدر ذلیل وخوار کیا یوروپین تسلّط کاروں نے یہ اتنا ہی اپنے قامت کو بلند سے بلند تر کرتے چلیں جائیں گے۔ بقول ایک ایبوریجنل شاعرہ کے ''میں اپنے قلم سے برچھی تراش رہی ہوں۔ مجھے اپنے لوگوں کی جنگ لڑنی ہے۔'' وہ سیاہ فام روزا ہو جس نے بس کے اس حصہ سے ہٹنے سے انکار کر دیا تھا جو سفید فام کے لئے مخصوص تھا اور بیداری کی ایک نئی تحریک کا آغاز کر دیا تھا وہی کردار تھا مس کنگ کی باڈر پر ڈٹی ڈٹی ماں نے ادا کیا۔ یہ وہ کردار ہیں جنہوں نے آزادی اور بیداری کی نئی روح پھونک دی اپنے مضبوط ارادوں کے سبب۔ انہی ماؤں نے مایا اینجلو اور ایبوریجنل تخلیق کاروں جیسی فکشن رائٹرز، جرنلسٹ، تاریخ دان، کالم نگار اور شاعرات دے کے ایبوریجنل کے ادب کو ان کی تحریر اور تقریر کو دنیا کے ترقی یافتہ ادب اور اقوام کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔

www.urduchannel.in

# شمالی امریکہ کے حقیقی باشندوں کے گیت
# اور خواتین کی شاعری کے تراجم

مترجم: نسیم سیّد

www.urduchannel.in

لنڈا ہیگن

# تمہیں استعمال کے بعد
# قتل کر دینا ہی مناسب ہے

میری ماں نے بتایا
''ہم اپنے وجود سے شرمندہ تھے
سفید آدمی ہمیں دیکھ کے
نفرت سے ہمارے منہ پر تھوک دیتے
''بدشکل جنگلی عورتیں''
وہ ہم سے کسی کو بھی
کسی بھی وقت بے لباس کر سکتے تھے
ہمارے گندے جسم کو استعمال کر کے
قتل کر سکتے تھے
یا سڑک پر ہمیں دیکھ کے
اپنی گاڑی سے کچل سکتے تھے
یہ سب کچھ روز کا معمول تھا
مجھے اپنے آپ سے شرم آنے لگی تھی

www.urduchannel.in

مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں اتنی بدصورت ہوں
کہ اسی سلوک کی مستحق ہوں
میں شرم کے مارے مرجانا چاہتی تھی
ماں!!
مجھے دیکھ
تیری بے عزتی کا بدلہ
میرا قلم لے رہا ہے
میری نظمیں تیرا وقار چھین کے رہیں گی

•••

## آگ

زندگی کے لئے
ایک عورت کو بس
سانس لینا ہی کافی نہیں
اس کو لازم ہے وہ
کوہساروں کی آواز سنتی ہو
نیلے افق کی حسیں، بے کراں وسعتوں کا
اسے علم ہو

www.urduchannel.in

وہ زن بادشب

جانتی ہو کہ

کیسے طرح دے کے سب گھٹنائیوں کو نگل جائے

کیسے وجود اپنا خود میں سمیٹے

یہ سب

یہ سارا کچھ

اس کو معلوم ہو

اس کو لازم ہے

وہ جانتی ہو

اسے سب خبر ہو

مجھے دیکھو

میں بھی وہی ہوں

زن بادشب

لیکن اس آگ کو

میں نے کیسا چراغوں میں ڈھالا ہے

کس طرح اب میری آواز کی

گونج ان بے کراں وسعتوں میں فضاؤں کی ہے

www.urduchannel.in

سنو

میں بھی تم میں سے ہوں

کوئی تم سے الگ تو نہیں

مگر میں زن بادِ شب

نیلگوں آسمانوں کا ایک سلسلہ ہوں

میں اب

سینڈیا کے پہاڑوں کی آواز ہوں

ہاں میں وہی ہوں

وہی۔۔۔۔۔۔وہ زن بادشب

ایک اک سانس میں اپنی جلتی تھی جو

●●●

## پہلا دور

### ابتدا

گلیشیر نے دھکا دیا

اور سفر کا آغاز ہوا

وہ پہاڑوں اور میدانوں کی طرف چل پڑے

دھرتی ماں نے ایک نئی قوم کو جنم دیا

www.urduchannel.in

## دوسرا حصہ۔افراد

تحقیق کی رو سے

یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے

کہ گیارہ ہزار سال پہلے

پہاڑوں اور سطح مرتفع پر رہنے والے

Scheligu قبیلے کے ہنر یافتہ لوگ تھے

انہوں نے مٹی سے برتن نہیں بنائے

لیکن وہ ماہر نور باف تھے

انہوں نے پتھروں، سینگوں اور لکڑی سے

استعمال کی اشیاء بنائیں

فر سے موزے اور کوٹ بنائے

وہ بفلو کے بہت قیمتی کوٹ بناتے تھے

جو تجارت کا بہترین ذریعہ تھے

(مرد تجارت کرنا سیکھ گئے تھے)

## تیسرا دور

عورت:

عورت کا باپ بہت بڑا تاجر تھا

www.urduchannel.in

گھوڑوں کا تاجر

ایک قدیم ترین تجارت

حالانکہ لوگوں کا خیال ہے

کہ جسم فروشی کا پیشہ قدیم تر ہے

لیکن جیسے اشیا کی فروخت کے لئے

خریدار ہونا ضروری ہے

جنس کی خریداری کے لئے بھی

پہلے ایک خریدار ہونا ضروری ہے

اور مرد بہت اچھے تاجر تھے

عورت کی دادی کا تعلّق

شمال کی جانب سے آنے والے قبیلے

Lodge Grass

سے تھا

اور وہ

Basin جیسی خوبصورت بولی بولتے تھے

عورت کی دادی

اس زبان میں جو گیت گاتی

وہ ہمارے لہو میں روشن ہیں

ہم اس روشنی سے گیت بناتے ہیں

www.urduchannel.in

## تیسرا دور۔ گیت

مرے ہاتھوں کو دیکھو
زندگی کی تال پر یہ تال دیتے ہاتھ میرے
رقص میں ہیں
رقص میں ہے روح میری
سانس کی لے پر نئی دھن گا رہی ہے
مجھے دیکھو میں کیسے زندگی کے کینوس پر
کہکشاں تخلیق کرتی ہوں
میں رقصاں ہوں
میرے اطراف سب کچھ
زندگی کے رقص میں ہے

## چوتھا دور۔ گیت

مرے ہاتھوں کو دیکھو
زندگی کی تال پر یہ تال دیتے ہاتھ میرے
رقص میں ہیں
رقص میں ہے روح میری
سانس کی لے پر نئی دھن گا رہی ہے
مجھے دیکھو میں کیسے زندگی کے کینوس پر

www.urduchannel.in

کہکشاں تخلیق کرتی ہوں

میں رقصاں ہوں

میرے اطراف سب کچھ

زندگی کے رقص میں ہے

## پانچواں دور

وہ اپنے خوابوں سے

تصویریں بناتی ہیں

دھندلے ادوار کی تصویر

گزشتہ نسلوں کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی

محفوظ کر لینا ضروری ہوتا ہے

کہ گزشتہ ہی تو

ہمارے موجود کی تاریخ ہے

ہمارے خوابوں کی بنیاد

انہی گزشتہ ایام میں ہے

جہاں سے تمام تر تخلیق کے سوتے پھوٹتے ہیں

## چھٹا دور: کام

عورت اپنے کام میں ماہر ہو چکی ہے

اور اس پر

www.urduchannel.in

اس کی ذات کے نقوش بھی واضح ہیں
وہ کینوس کو کاٹ کے بے جان اشکال
کو سانس لیتا دکھا دیتی ہے
اعلیٰ نسل کے بارہ سنگھوں
اور اونچے کوہان والے بیل
اس نے کینوس سے بنائے
عورت تخلیق کرتی ہے
اس بات سے بے نیاز کے
کونسے کوہان اور سینگھ
اس کے وجود کو لہولہان بھی کر سکتے ہیں
اس کی سوچ کی بیل
افق کی سمت بڑھ رہی ہے
اور قدم اپنے ماضی میں پیوست ہیں
وہ کائنات کے دائرے پر
اپنی شناخت کی دھاریاں پینٹ کر رہی ہے
اب عورت ترپال سے
ڈیزائن بنانا جانتی ہے

www.urduchannel.in

کبھی زمیں کا نقشہ
ترپال پر بنا کے
دنیا کو ایک ترپال میں لیٹ لیتی ہے
اور کبھی جیومیٹری کی لکیروں سے

حدود کا تعین کرتی ہے
اس کی سوچ کی بیل
اُفق کی سمت بڑھ رہی ہے
اور قدم اپنے ماضی میں پیوست ہیں
وہ کائنات کے دائرے پر
اپنی شناخت کی دھاریاں پینٹ کر رہی ہے
اب عورت نے آگ کو دریافت کر لیا ہے
باہر کی آگ کو بھی
اور اپنے اندر کی آگ کو بھی
اس نے ترپال کو جلایا
اور اس کی روشنی
شمال جنوب
اور مشرق و مغرب تک پہنچ گئی

www.urduchannel.in

## ساتواں دور

پل

اور تب عورت اپنے ٹمٹماتے ہوئے خوابوں

کی تعبیر

دن کی روشنی میں دیکھتی ہے

اور وہ موم جامہ ہوئے

سر بمہر ماضی اور حال کو سمجھ لیتی ہے

لیکن اسے معلوم ہے کہ اس کو کیا کرنا ہے

اس کی سوچ کی بیل

اُفق کی سمت بڑھ رہی ہے

اور قدم اپنے ماضی میں پیوست ہیں

وہ کائنات کے دائرے پر

اپنی شناخت کی دھاریاں پینٹ کر رہی ہے

●●●

www.urduchannel.in

لی مارسیل

# اسیری

میں اب تک تمہیں
یعنی۔۔۔۔۔۔۔
اپنے غاصبوں کو
یقین دلانے کی
کوشش کرتی رہی
''بے وقوف نیٹو عورتیں''
نہیں!!
نہیں!!
میں ان جیسی نہیں ہوں
میں تمہارے بنائے
اور تمہارے سمجھائے
سانچے میں
ڈھل چکی ہوں
میں نے تمہاری
پلائی ہوئی

www.urduchannel.in

شراب کے نشہ سے

خود کو دھت کر لیا

تمہاری زبان

بڑی محنت سے سیکھی

تمہاری عورتوں جیسا

بننے کی کوشش کی

مگر۔۔۔۔۔۔

آج یہ نظم لکھتے ہوئے

میرے ماتھے پر

شرمندگی کا پسینہ ہے

تمہارے معیار پر

پورا اُترنے کی کوشش

میری سوچ کی

اسیری کا ثبوت ہے گویا

گویا!!

میں اب تک اسیر ہوں

●●●

www.urduchannel.in

# پرچھائیاں

پتیوں کے رنگ

پرچھائیوں میں تبدیل ہو رہے ہیں

اور شاخیں

غسل آفتابی کے لئے قبا چاک...

دُور دُور تک پژمردگی کا جنگل پھیلا ہوا ہے

لیکن یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے

فنا میں بقا کا معجزہ

بالکل ایسے ہی

جیسے دیوہیکل مچھلیاں اور کچھوے

اپنی ہڈیوں کے چاک میں تبدیل ہونے تک

پیٹ کے بل زمین پر اپنا وجود گھسیٹتے رہتے ہیں

اور پھر آئندہ نسلوں کے لئے

اس زمیں کا رزق بن جاتے ہیں

جب زندگی بے جان ہو کے

اپنی ہی جڑوں میں خاک ہو جائے

www.urduchannel.in

تو پھر اس کھاد سے
اس کے وجود کی نئی کونپلیں پھوٹتی ہیں
فنا میں بقا کا معجزہ
تصویر کا دوسرا رُخ
پتیاں پرچھائیوں میں تبدیل ہو کے
گھنے سائے اگاتی ہیں

●●●

www.urduchannel.in

ارویانا آریکہ

# اپنے باپ کے لئے ایک نظم

میں تمہیں تمہاری روشنی میں
بجھتے
اور آنکھوں کی چمک میں ماند ہوتے
دیکھ رہی ہوں
تم نے خوابوں کی بھیک نہیں مانگی
بلکہ اپنی ذات پر انحصار کیا
اور وہ خواب
جو آرزومند تصاویر کا شمارہ تھے
اپنے ساتھ لے گئے
تم نے پتھروں، درختوں، اور پانی سے
گیت کشید کئے
مگر میرے پاس
تمہارے جیسا لہجہ اور حروف کہاں ہیں۔۔۔
ہم احساسات کی ترسیل کے لئے

www.urduchannel.in

ایک جیسے الفاظ نہیں رکھتے

میری آنکھوں کا بھوکا فخر

اور اخباری چہروں پر لکھی طنزیہ تحریر

میرے حروف کو

خوف اور بے یقینی میں سوکتی ہیں

تم آرزومند تصاویر کا شمارہ تو اپنے ساتھ لے گئے

میں تہی دست ہوں

●●●

www.urduchannel.in

نوراڈونہر

## جازے کے لئے ایک نظم

تمہارے لئے کچھ لکھنا
ایسا ہی ہے
جیسے
مچھلی کے کانٹے کو
جھاڑیوں میں گھسیٹنا
میں
تم تک پہنچنے کے لئے
بہت تھوڑا سا فاصلہ طے کر پاتی ہوں
کہ ہُک جھاڑیوں میں اٹک جاتا ہے

●●●

## آوازیں

جب ہم گاتے ہیں تو
ایسا لگتا ہے
جیسے چپٹے سروں والی گاؤدی مچھلیاں

www.urduchannel.in

گا رہی ہیں
لیکن ہماری پوتیوں کی آواز
محوِ رقص ہے
ان کے نمو کی مہک سے
فضا معطّر ہے
اور ہواؤں میں ان کی آواز
اُونچی اُونچی پینگ لے رہی ہے

●●●

www.urduchannel.in

پولا گن ایلین

# لگونا(Laguna) کی حسین عورتیں

لگونا کی حسین عورت
لاس اینجلس کی
حسین عورت جیسی نہیں ہے
اس کا حُسن اس کی

(مسکارا اور آئی لائینر سے بے نیاز)
آنکھوں میں ہے
ان آنکھوں کی مسکراہٹ میں
بلا کی سنجیدگی ہے
ان کے ہاتھ نرم و نازک نہیں
کُھردرے ہیں
مگر اں کُھردرے ہاتھوں میں بلا کی طاقت ہے
ان کے بدن گول مٹول ہیں
مگر اندر سے خالی نہیں
بلکہ اعتماد سے بھرے ہوئے ہیں

www.urduchannel.in

حسین

مگر اپنے حُسن میں محو نہیں

دوسروں کے حُسن کو سراہتی اور

ان میں حُسن تلاشتی ہوئی

دنیا کے شور سے دور

اپنی خلوتوں میں خود سے محوِ کلام

اور اپنے یقین میں قہقہے لگاتی ہوئی

یہ حسین عورتیں

سنہرے بھٹے جیسی ہیں

رس بھرے، میٹھے

پکے ہوئے سیکڑوں دانوں سے مل کے بنا

سنہرا بھٹا، قدرت کا حسین تحفہ

لگونا کی عورت اسی جیسی ہے

لگونا کی عورت کا حسن

لاس اینجلس کی

حسین عورت جیسا نہیں ہے

●●●

www.urduchannel.in

# ہمارے جد کی نیلامی

مجھے امید تھی میری کھینچی ہوئی کھال
اور میرے خون ناحق کی فصل کبھی پھل لائے گی
مگر آج تک تو ایسا نہیں ہوا
بلکہ ایسا ہوا
جب Kneewounded کو چار روزہ
قتل عام ختم ہوا
تو دفنانے کی تقریب منعقد کی گئی
ایک لمبی سی خندق کھودی گئی
بہت سے بالکل برہنہ، برف میں جمے ہوئے
مردہ جسم
خندق میں پھینک دیئے گئے
غاصبوں کے ہاتھوں میں
مقتولوں کا مالِ غنیمت تھا
ان کے موزے
برف میں لمبے عرصہ تک استعمال کے سبب
گھس گئے تھے
موزے ہی کیا!

www.urduchannel.in

تمام استعمال شدہ اشیا خستہ حال میں تھیں
اس مالِ غنیمت کی تصاویریں بنائی گئیں
تا کہ ان کی نیلامی ہو سکے
ہمارے بے قیمت اجداد کے
ننگی لاشیں ایک دوسرے پر پڑی تھی
اور ان کی استعمال شدہ چیزوں کی قیمت لگ رہی تھی
چمڑے کی سلیپر
ایک سو چالیس ڈالر
مچھلی صاف کرنے والا کُند چاقو
تین سو پچاس ڈالر
ہرن کی کھال سے بنی قمیض
بارہ سو ڈالر
عورت کے چرمی موزے
دو سو پچھتّر ڈالر
ہڈی سے بنی پلیٹ
مجھے اپنے خون اور اپنی کھال
کی فصل پہ بُور آنے کی توقع تھی
مگر ان کی قیمت لگا کے
آرٹ آکشن کے لئے محفوظ کر لیا گیا

(Indian Arts Action Catalog, 1077)

www.urduchannel.in

لیوا اینڈر یو

# سفید گیٹ

یہ مغرور مچھیروں کی اُونچی فصیلوں والے
قلعہ کے سفید گیٹ کی تصویر ہے
تم اس تصویر کے گیٹ کے اندر داخل ہو جاؤ
ہاں تم!!
جس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا
اور بٹن کے ذریعہ جھول رہا ہے
تم کو اس گیٹ میں داخل ہوتا ہے
حالانکہ تمہارا دل سرمئی برف میں تبدیل ہو چکا ہے
مگر داخل ہو
اور اس کونے میں جہاں کوئی گارڈ نہیں ہے
اپنے قدم جما دو
تمہاری زنجیر سے جکڑی کلائی
خالی وجود
اور اپنی ہڈیوں کے قفس میں قید
دکھ، درد اور رنج وغم کی تاریخ

www.urduchannel.in

سب کے ساتھ ہمت کرو اور جم کے کھڑے رہے
تمہارے قدم تیز دھار کے بلیڈ میں تبدیل ہو چکے ہیں
حالانکہ اس سفید گیٹ کے اندر سوائے سفید النسل کے
کوئی داخل نہیں ہو سکتا
مگر تم کو داخل ہونا ہے
اور اپنی ایڑیوں سے بہتا خون یہاں کی مٹی جذب کر دینا ہے
تمہاری سانسیں ٹوٹ رہی ہیں
مگر یاد ہے کہ تمہاری اُنگلی میں
تمہاری ماں کی انگوٹھی ہے
یہ انگوٹھی تمہارا ایک وعدہ ہے اپنی ماں سے
حالانکہ تمہارے دل ٹوٹ چکے ہیں
تمہارے شانے چکنا چُور ہیں
تم جو تنہا ہو
جن کا کوئی رکھوالا نہیں
مگر جاؤ
اے رسن بستہ
اے لہو رستی ایڑیو والو
اپنی چھنی ہوئی میراث پر
اپنی ایڑیوں کی مہر ثبت کر دو

www.urduchannel.in

Dianne Bearns

# قلم کی برچھی

اب میری طرف دیکھو
اور بتاؤ
کہ میرے لئے
میرے مستقبل کے پاس کیا ہے؟
ہم ایک دوسرے سے جھوٹ بولتے ہیں
کہ ''ہم ٹھیک ہیں''
لیکن ہماری رُوحوں کے
کھلے ہوئے زخموں سے
لہو بہہ رہا ہے
ہم سب مل کے
اپنے اپنے زخموں کو سینے سے لگائے
چپ چاپ انہیں سہلاتے رہتے ہیں
لیس کورٹ اور ریلز کی برف پگھل رہی ہے
کینڈین گیز گھروں کی طرف لوٹ رہی ہیں
واشنگٹن سکوائر پارک میں

www.urduchannel.in

درختوں پر سبزہ پھوٹ رہا ہے
اور سبز جیکٹ والے فوجی
اپنی طاقت کا اشتہار بانٹ رہے ہیں
وہ ایک دوسرے سے سرگوشی کرتے ہیں
''جوڑ جوڑ ڈھیلے پڑ چکے ہیں''
''دیکھو، یہ جوڑ جوڑ سے ڈھیلے پڑ چکے ہیں''
اور میں بنچ پر بیٹھی
سورج کے نکلنے کا انتظار کر رہی ہوں
مجھے اپنا گھر یاد آ رہا ہے
میں اپنے کھیتوں کی ہوا سونگھ رہی ہوں
میری کلائی قیدِ بامشقّت جھیل رہی ہے
مگر میری انگلیاں برچھی تراش رہی ہیں
قلم کی برچھی
مجھے اس برچھی سے
اپنے لوگوں کی جنگ لڑنی ہے

●●●

www.urduchannel.in

تانیہ ہگس

# کیا میں پورا سچ لکھ سکتی ہوں؟

انسٹرکٹر نے ہدایت دی
گھر جاؤ اور ایک ورق لکھو
اور جو لکھو
وہ تمہارے اندر کی آواز ہو
وہ تم ہو
تب اس لکھے میں سچائی ہوگی
میں حیران ہوں
کیا سچ لکھنا اتنا آسان ہے؟
کیا میرا پورا سچ
میرا انسٹرکٹر برداشت کر سکے گا؟
میرے اندر میری تاریخ کے سیاہ اوراق رقم ہیں
میں اپنا پورا سچ لکھنا چاہتی ہوں
لکھ سکتی ہوں
مگر۔۔۔۔

www.urduchannel.in

سچ تو یہ ہے کہ وہ

مجھے سچ لکھنے کی ہدایت کر کے

میرا جھوٹ لکھنا پسند کرتا ہے

میں تمہاری سیاہ ہدایت پر

سفید جھوٹ لکھ رہی ہوں

کیونکہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مجھے امتحان پاس کرنا ہے

●●●

www.urduchannel.in

لایانا مارسیل

# اسکول یا عقوبت خانہ۔۔۔

ساٹھ سال کی دھندلی آنکھوں میں
وہ منظر گیلی لکڑی کی طرح
جلتے ہیں۔اور ڈراؤنے خواب
مجھے سوتے سے جگا دیتے ہیں
ماں زمیں پر بیٹھی
ہچکیوں سے رو رہی ہے
پھر وہ اچانک اٹھتی ہے
اور نوکیلے بوٹ والوں
کے پیروں سے لپٹ جاتی ہے
نوکیلے بوٹ والوں نے
اس کے سر پہ پہ زور کی ٹھوکر لگائی
وہ مجھے اور میرے بھائی کو
گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے ہیں
میری آنکھوں میں گیلی لکڑیاں جل رہی ہیں
بہت دھواں بھر گیا ہے میری بوڑھی آنکھوں میں

www.urduchannel.in

میں اتنے سالوں سے ہر رات
ایک سے ہی ڈراؤنے خواب کیوں دیکھتی ہوں؟
جیسے
بہت بڑے کمرے میں
دور دور تک بہت سے بستر لگے ہیں
ہر عمر کے بہت سے بچے ہیں
مگر میں تنہا ہوں۔ رو رہی ہوں
نہ جانے میرا بھائی کہاں گیا؟
جیسے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
میں بہت اکیلی ہوں
(اس کمرے میں ہر بچہ بہت اکیلا ہے)
میں کانپ رہی ہوں۔۔۔
میرے اندر تنہائی اور خوف
منجمد ہو گئے ہیں
جن بچوں سے ان کی ماں چھین لی جائے
وہ جب تک زندہ رہیں
گیلی لکڑی کی طرح تھم تھم کے جلتے ہیں
اور عمر بھر ڈراؤنے خواب دیکھتے ہیں

●●●

www.urduchannel.in

# میرا بچپن تمہارے اسکول کھا گئے

میں چھ سال کی تھی
اپنی ماں کی پناہ گاہ میں
میری روح کتنی آزاد تھی
بالکل کسی ہرنی کی طرح
مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
تمہارے رحم کے تماشے نے
جو جیل تعمیر کی
اس نے میری روح کو قتل کر دیا
اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
میری پناہ گاہ چھین کے
ہمیشہ کے لئے بے گھر کر دیا مجھے

●●●

www.urduchannel.in

ڈیٹا جو

# مجھے میرے لہجے میں بات کرنے دو

میں اسکول میں سات سال کی بچی تھی
اس وقت تم نے مجھے مار مار کے
میرے الفاظ مجھ سے چھین لئے
اب میں۔۔۔۔۔۔۔
میں تمہاری طرح بولتی ہوں
تمہاری طرح تخلیق کرتی ہوں
میرے الفاظ توڑے مروڑے اور ایک دوسرے میں الجھے ہوئے
ایک گیند جیسے ہو گئے ہیں
میں تمہارے بہت طاقت ور لہجے کے سامنے
کپکپاتے ہوئے
بہت نرمی سے اپنا ہاتھ بڑھاتی ہوں
مجھے میرے لہجے میں بات کرنے دو
تا کہ میں اپنے لہجے میں
تمہیں۔۔۔۔۔۔۔
اپنے بارے میں سمجھا سکوں

www.urduchannel.in



# افسوس

برف کے
ایک چھوٹے سے
سوراخ سے مچھلیاں پکڑنا!
کس قدر لطف اندوز تھا
بھوک کے لیے
غذا کی بے فکری
کس قدر طمانیت بخش احساس ہے
مگر۔۔۔کیا میں خوش تھا؟
نہیں! مجھے تو اپنے چھوٹے سے ہُک کی فکر کھائے جاتی تھی
جس میں مچھلی پھنستی تھی!
کیا خبر اس میں مچھلی پھنسے نہ پھنسے
میں کبھی پوری طرح مطمئن نہیں تھا
میں خوشیوں کو ہمیشہ نظر انداز کرتا رہا
اب برف کی ایک سرد قبر میں پڑے پڑے
میں دھوپ کا انتظار کرتا ہوں

www.urduchannel.in

سورج کی ایک کرن
میری قبر کو نُور سے بھر دیتی ہے
الصبح ! روشنی کی ایک لہر
مجھے خوشیوں سے گرما دیتی ہے
افسوس !!
کہ جب سارے موسم میرے تھے
میں نے ان کی کوئی وُقعت نہیں جانی
میں نے ان کا جشن نہیں منایا
میں ہمیشہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے فکر مند رہا
اور قدرت کی تمام نعمتیں
زندگی کی ساری بخششیں
نظر انداز کر دیں

●●●

## مگر نہیں ہے

سفید و نازک پروں کے جیسی
یہ برف والی زمیں پیروں تلے ہے میرے
اِک عمر سے اس پہ چل رہا ہوں

www.urduchannel.in

مگر مجھے ایسا لگ رہا ہے
زمیں پیروں تلے نہیں ہے
یہ گنگنا تا حسین دریا
یہ میرے مشکیزے اک زمانے سے بھر رہا ہے
مگر میں پیاسا ہوں
پیاس سے جسم جل رہا ہے
حسین و نازک میری منگیتر
میں اس سے ملتا ہوں روز۔۔۔لیکن
نہ جانے کیوں مجھ کو لگ رہا ہے
کہ جیسے وہ ہے۔۔۔
مگر نہیں ہے!!

●●●

## Copper Eskimos

(۱)

یہ کیسی آہٹ ہے
کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے
کہ جیسے گہری خموشیوں سے نکل کے کوئی
دبے دبے پاؤں

www.urduchannel.in

میری خلوت میں چل رہا ہے
میرا صنم ہے کہ
یہ خدا ہے؟

●●●

## زندگی ایک کایاک☆ ہے

ایک اُونچی لہر
میرے کایاک سے
آ کے ٹکرا گئی
اور میرا توانا بدن
اپنے بازو کے پتوار پر
وہ جو اِترا تا
موجوں کی دھجی اُڑا تا
اُلجھتا تھا ہر موج سے
خوف میں منجمد ہو گیا
ہاتھ سے ہاتھ اپنی مجھے
چھوٹتا سا لگا

☆ کایاک: ایک پتلی سے کشتی

www.urduchannel.in

ایک پل میں جو نشہ تھا ہونے
کا اپنے
ہوا ہو گیا

زندگی کی حقیقت ہے کیا
اِک لہر مجھ کو سمجھا گئی
وقت کے نیل میں
زندگی ایک کایا ک ہے
اِک لہر کا تھپیڑا پڑا
اور بدن کا یہ کایا ک
غرقاب ہے
سب تہہِ آب ہے

●●●

www.urduchannel.in



# سارے رنگ تمہارے ہیں

ہر دن کی تقدیر تمہاری
مٹھّی میں
سارے اُجلے رنگ تمہارے ہاتھوں میں ہیں
اپنی لکیروں سے ہاتھوں کی
جیسی چاہو فال نکالو
جیسے چاہو بات بنالو
جیسی چاہو فصل اٹھالو
سارے اُجلے رنگ تمہارے ہاتھوں میں ہیں

●●●

www.urduchannel.in



# کیا کریں؟

خواہرِ عظیم!!
اب تُو ہی بتا
تُو ہی بتا کہ کیا کریں
ہم اپنی اپنی فطرتوں کو بھیڑیوں کی فطرتوں میں ڈھال دیں؟
کڑکتے اور گرجتے بادلوں میں خود کو ڈھال لیں؟
اور اپنے آپ میں تڑپتی بجلیوں سے
ان کے جسم کو جلا کے
راکھ سب
فضاؤں میں اُچھال دیں؟
نہیں۔۔۔خدا کے واسطے
میری سُنو
تم اپنے دشمنوں کی سب کثافتوں کو
اس زمیں پہ چھوڑ کے
اُونچے، اُونچے آسمان میں اُڑو
بدن میں اپنے۔۔۔ان تڑپتی بجلیوں کو

www.urduchannel.in

روشنی میں ڈھال لو

یہ بجلیاں، یہ روشنی

یہی تمہارے تیر ہیں

یہی تمہاری ڈھال ہے

اُڑان لو!

تمہارے سارے دشمنوں کے واسطے

یہی بس ایک جال ہے

تمہارے بس میں اور کچھ نہیں، مگر

ہی بس اِک کمال ہے

●●●

## ایک سوال

مالک!!

کیا تجھے اس بات سے

کبھی اُکتاہٹ نہیں ہوتی

کہ تیرے اور ہمارے درمیاں

ہمیشہ بادلوں کی دُھند چھائی رہتی ہے؟

●●●

www.urduchannel.in

# میں ابنِ آفتاب ہوں

میں ابنِ آفتاب ہوں
میں اس کے ساتھ ہر صبح طلوع ہو کے
وادیوں میں
گھاٹیوں میں
کھیتوں میں
مست مست ناچتا ہوں
ناچتا ہوں شام تک
اپنے بازوؤں میں اس حسین کائنات کو سمیٹ کے
مست مست ناچتا ہوں شام تک

●●●

# یتیم بچّے سے

کھلے سمندر میں ننّھے منے یتیم بچّے
بڑی بڑی مچھلیوں کو مت آسرے سے دیکھو

www.urduchannel.in

تم ان سے ہٹ کے

ادھر کھسک آؤ

چھوٹی چھوٹی سی مچھلیاں ہم

تمہارے بے حال جسم کو ہم سنبھال لیں گے

تمہیں بھی مل جل کے پال لیں گے

●●●

www.urduchannel.in



# میں ٹوٹی ہمتوں کو جوڑنے کا گیت گاؤں گا

میں ٹوٹی ہمتوں کو جوڑنے کا گیت گاؤں گا
خزاں کے موسموں سے میں علیل ہوں
میں مثلِ طفل
خود سے کیسا بے بس وخجیل ہوں
جو میری ہم نفس تھیں
مجھ کو چھوڑ کر چلی گئیں
رقیب کی چھتوں تلے
طمانتوں میں بس گئیں
دُکھوں سے، رنج و درد سے وہ بچ گئیں
مگر میں اپنے دل کی ان اُداسیوں کا کیا کروں؟
کہ ان کی اس جفا پہ دل
حزیں و بے قرار ہے
میں سوچتا ہوں
کیسا ان کا پیار تھا؟
کیسا قول ان کا کیا قرار تھا؟
بدن نحیف و نزار ہے

www.urduchannel.in

مگر کسی خیال سے
خیال لالہ زار ہے
وہ برف کی طرح سفید بھیڑیے
میرے شکار کی وہ کس قیامتوں کی چستیاں
کیسے زیر کر لیا تھا
ایک ہی جست میں
اِک عظیم سیل کو
وہ میرے ایک وار کا شکار تھی
میں اپنے دوستوں میں کیسا شاد و کامران تھا
کس قدر قوّی تھا
کیسا چست و باگمان تھا
مگر وہ تب کی بات ہے
اب تو میں نحیف ہوں
علیل ہوں
سویرا جب تلک نئے سویرے کو جنم نہ دے
اسی طرح اسیر ہوں
یونہی۔۔۔ یہاں پڑے پڑے
میں ایک گیت گاؤں گا
میں ٹوٹی ہمتوں کو جوڑنے کا گیت گاؤں گا

●●●

www.urduchannel.in

# میرے گیت

میرے گیت میری سانسیں ہیں
جیسے مجھے زندہ رہنے کے لئے ہر وقت سانس لینے کی ضرورت ہے
ایسے ہی زندہ رہنے کے لئے ہر وقت گیت لکھنا پڑتا ہے
یہ مجھے اندر سے طاقت ور بناتے ہیں
گیت وہ خیالات ہیں جو سانسوں کو ترتیب بخشتے ہیں
انسان عظیم طاقتوں سے متاثر ہوتا ہے
اور آج کے دور میں
صرف جذبات کو بھڑکانے والی
بازاری اور سستی تقریریں اس کے لئے کافی نہیں
موسموں کی ذرا سی بے توجہی اسے رنجیدہ کر دیتی ہے
وہ محسوس کرتا ہے جیسے وہ برف کی مانند پگھل رہا ہے
اور چھوٹا ہوتا جا رہا ہے
اور اُسے لگتا ہے اُس کے الفاظ اُس کے ہاتھوں میں
برف کی طرح پگھلے جا رہے ہیں
لیکن یہ تو صرف موسم کے اثرات ہوتے ہیں
الفاظ کبھی نہیں پگھلتے
وہ ہمارے اندر محفوظ رہتے ہیں
اور جب چاہتے ہیں کہ اپنے حُسن سے

www.urduchannel.in

دنیا کی نگاہوں کو خیرہ کریں
تب ماہتاب کی طرح
ہماری سوچوں میں
آپ ہی آپ جگمگانے لگتے ہیں
اور تب ہم ایک گیت لکھتے ہیں
ایک نظم تخلیق کرتے ہیں

●●●

## اس لڑکی کا گیت جو پتھر میں تبدیل ہوگئی

کیا کس کے مردو
ادھر آؤ دیکھو
تمہاری سزا سے
میں پتھر ہوئی ہوں
ادھر آؤ دیکھو
میں پتھر ہوں لیکن
زمیں میں قدم گاڑے
کیسی کھڑی ہوں
کیا کس کے مردو
ادھر آؤ دیکھو
تمہارے یہ نیزے

www.urduchannel.in

میرے جسم کو چھید کے
مجھ پہ ہنستے رہے ہیں
تمہارے یہ ہنٹر
میرے جسم پر جو
برستے رہے ہیں
میرے تن کے پتھر سے
اب ڈر رہے ہیں
یہ میں ہوں
یہ میں ہوں
قدم گاڑ کے برف میں جو کھڑی ہوں
کیا کس کے مردو!
میں اب تا ابد ہوں!
میں اب تا ابد ہوں!

●●●

## مردہ آدمی کا گیت
## جو ایک زندہ انسان نے خواب میں دیکھا

سورج کی کرنیں جب قبر میں نور بکھیریں
میں خوشیوں سے بھر جاتا ہوں
ورنہ خوف سے میرا دم گھٹتا رہتا ہے

www.urduchannel.in

لالچی کیڑے میری آنکھوں
اور ہنسلی کے حلقوں میں
آتے جاتے
رہتے بستے ہیں
اور میں پڑا سوچا کرتا ہوں
برف کی اِک چھوٹی سی قبر میں ڈال کے مجھ کو
برف کی سِل سے ڈھانک کے مجھ کو
کیسا وہ سب چلے گئے تھے
میری سمجھ سے سب باہر تھا
میری رُوح کہاں سے اب رستہ پائے گی
کیسے اب پرواز کرے گی
کھیل کے اس میدان کی جانب
جس کے چپہ چپہ میں
اِک عمر کا میری
ایک اک لمحہ بکھرا پڑا ہے
اب سارا دن پچھتاتا ہوں
جاڑے کا موسم کتنا اچھا ہوتا تھا
مگر کبھی کیا میں نے اسکا جشن منایا؟
نہیں!!

www.urduchannel.in

مجھے تو کھال اکٹھا کرنے کا غم کھاتا تھا بس
بدن گرم رکھنے کو کافی کھال نہیں ہے
کتنے حسیں ہوتے تھے موسم گرم دنوں کے
مگر کبھی کیا میں نے اس کا جشن منایا؟
نہیں!
مجھے تو غم رہتا تھا
اپنے گھر کی دیواروں کو اور ذرا سا اُونچا کرلوں
اور ذرا مضبوط بنالوں
اور اناج اکٹھا کرلوں
یخ بستہ اس گہرے غار میں
جس کا دہانہ چیخ گیا ہے
جس سے ٹھنڈا پانی مجھ پر
بُوند بُوند گرتا رہتا ہے
سب کہتے ہیں
ہائے بیچارہ!
کتنی جلدی بند ہوگئیں آنکھیں اس کی
میں ہنستا ہوں
اب میں پڑا سوچا کرتا ہوں
آنکھیں تو تب بند تھیں میری

●●●

www.urduchannel.in

لنڈا ہیگن

# زمیں پیروں سے کھینچ کے کہہ رہے ہیں
# خوشحال کر رہے ہیں

فضاؤں میں
وحشی چیخ بوٹوں کی ان کے
ہر سمت بس گئی ہے
ہواؤں میں
ان کی نخوتوں کی بساندسی اِک رچی ہوئی ہے
وہ دندناتے ہوئے
ہمارے گھروں میں گھس کے
ہمیں، ہمارے گھروں سے بے دخل کر رہے ہیں
زمیں مقدس ہے
ماں ہے، پالا ہے اس نے ہم کو
ہماری ماں کے بدن کو بوٹوں سے اپنے
پامال کر رہے ہیں
زمیں پیروں سے کھینچ کے
کہہ رہے ہیں
خوشحال کر رہے ہیں

www.urduchannel.in

Bala coola

# ستاروں کا گیت

روشنی کے سُر میں ہم
اپنے گیت گاتے ہیں
آگ کے پرندے ہیں
آسماں کی وسعت میں
ہم اُڑان بھرتے ہیں
روشنی کے سُر میں ہم
اپنے گیت گاتے ہیں
روشنی کے لہجے میں
ہم صدائیں دیتے ہیں
روح کے سفر کو ہم
راستے بناتے ہیں
اور بھٹکنے والوں کو
راستہ دکھاتے ہیں
آپ کے پرندے ہیں
آسماں کی وسعت میں

www.urduchannel.in

ہم اُڑان لیتے ہیں
روشنی کے سُر میں ہم
اپنے گیت گاتے ہیں
کیونکہ میں ایک ماں ہو
(جان ہوگ)
مقدر میں جو میرے وقت تھا
سب خرچ کر آئی
میں سب رشتے برت آئی
وہ میری رُوح کے رشتے
ضرورت کے تقاضوں کے وہ رشتے
بھوک میں بھونے ہوئے
دن رات کی محنت کے رشتے
کسی بے نام رشتہ کی
وہ لمبی اور ٹھنڈی گہری راتیں
عشق کے پہلو سے
میرے تن میں جو
سورج کے جیسے گرم اُجالے سجاتی تھیں
وہ سب یادیں، وہ سب لمحے

www.urduchannel.in

بدن کی بوڑھی گٹھڑی میں سمیٹے
دور گھر سے
سرد اور ٹھنڈی زمیں
سر جھکائے بے اماں ہوں
مرے ماحول
اور میرے رواجوں کا یہ کہنا ہے
کی سب رشتوں کی ہمراہی میں
جینے کے لئے
سینے کا مرکز میں
دہکتا گرم لوہا چاہے
بوڑھے بدن
جیسی میں اب ہو
بھربھر ہڈی کے ڈھانچے
وہ جو سینے میں دہکتی ہمتوں کی
آگ والی دھونکنی کو
دھونکنے لائق نہیں رہتے
انہیں چُپ چاپ گھر کو چھوڑ کے
اپنے لئے کوئی ٹھکانہ ڈھونڈنا ہوگا

www.urduchannel.in

رواجوں کا مرے فرمان ہے یہ
سو گھر سے دور
میں ٹھنڈی سڑک پر منجمد ہوں
یہ فر کا کوٹ
یہ کمبل، یہ میرے بوٹ
حاصل ہیں یہ میری زندگی کا
بس یہی میرا اثاثہ ہیں
میں خود کو گرم رکھنے کے لئے
رشتوں کے بارے میں نے گیت گائے تھے
مسلسل گُنگنا کے
اپنے سینے میں اُترتی برف کا
کو پگھلا رہی ہوں
مسلسل گُنگنا کے
خود کو میں بہلا رہی ہوں
مرے وارث
ادھر سے گر کبھی گزرے
تو جو کچھ بچ رہیں گی
بھیڑیوں سے ہڈیاں میں

www.urduchannel.in

یہ میرا کوٹ فر
بوٹ میرے
میری جیکٹ
تبرک جان کے
لے جائیں گے ہمراہ اپنے
اور میں ان کو حفاظت کے لئے
خیموں پہ ان کے
رُوح کا اپنی
بہت مضبوط اک خیمہ لگا دوں گی
کہ میں ماں ہوں
یہی دستور میرا ہے

●●●

## سورج داتا!

اپنے چہرے سے اس دُھند کو پوچھو نا!
دُھوپ اپنے چہرے کی
ہم کو تا پنے دو نا!

●●●

www.urduchannel.in

Alootook Ipellie

# وہ اک حسین رات تھی

وہ اِک حسین رات تھی
حُسن تھا
عشق تھا
شراب تھی
تالیوں کی تال پر
ڈھول کے دھمال پر
ہجوم محوِ رقص تھا
مگر ہمیں
کسی کی کچھ خبر نہ تھی
ہمارے ساتھ صرف ہم تھے
میں تھا، وہ تھی
اور ہمارے وجد میں
محوِ رقص
پوری کائنات تھی

●●●

www.urduchannel.in

# حواشی

Fatty legs
(Christy Jordan)
Inconvenient Indian
(Thomas King)
Border
(Thomas King)
Native American women writers
(Harold Bloom)
That's what she said
(Rayna Green)
History of Aboriginal -white relations
(Ontario ministry of cultural affairs)
The Grace that Remains
(American Indian writers
(Special issue on American Indian Writer 3,no. 1(1981)
dited by Elaine Jahner.
POEMS. In four Indian poets
Edited by: John R. Milton. University of South Dakota
Press. 1974